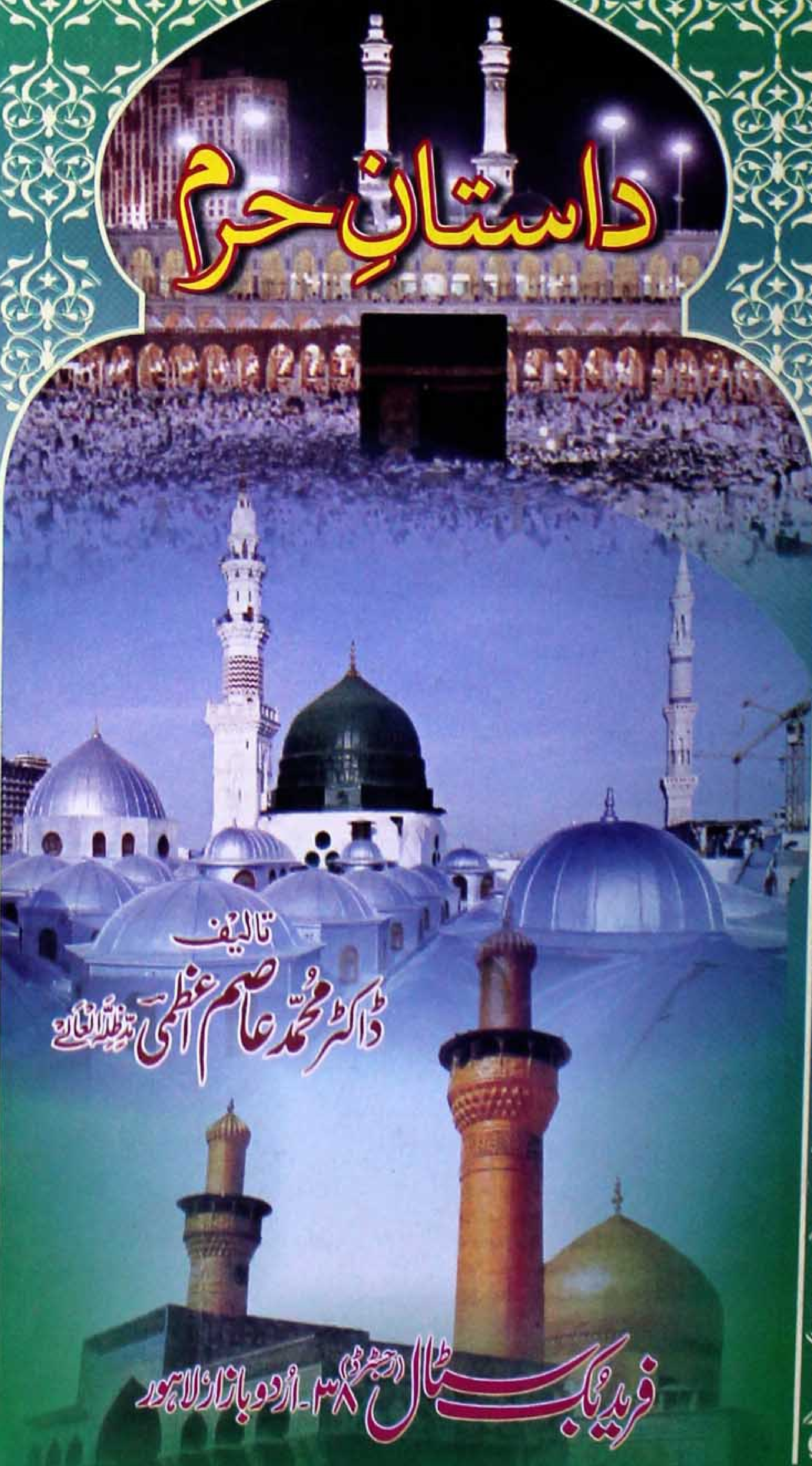
داستانِ حرم



تالیف

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی مدظلہ العالی

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہیں اسمٰعیلؑ

داستانِ حرم

ابتلا و آزمائش کے تناظر میں

تصنیف

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
ایم۔اے، ایم۔ٹی۔ایچ، پی۔ایچ۔ڈی

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ❁ داستانِ حرم

مولف ❁ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

تصحیح ونظر ثانی ❁ مولٰینا حافظ محمد ابراہیم فیضی

مطبع ❁ ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

الطبع الاوّل ❁ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ / مارچ ۲۰۰۲ء

ہدیہ ❁ [redacted]/-

الطبع الاوّل ❁ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ / مارچ ۲۰۰۲ء

ناشر

فرید بُک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر Email:info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com

فہرست

داستانِ حرم

حرفے چند

۱۹۸۲ء کی بات ہے جب ناچیز کا ایک مضمون "قانونِ آزمائش اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ" ماہنامہ فیض الرسول، براؤں شریف ضلع بستی کے مشترکہ شمارہ جون، جولائی، اگست میں شائع ہوا۔ دس صفحات پر مشتمل مضمون عام طور سے پسند کیا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں چند احباب نے خواہش ظاہر کی کہ مضمون میں موضوع سے متعلق کچھ اور مستند تاریخی واقعات شامل کر کے اسے کتابی شکل دے دی جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں اپنے تحقیقی مقالہ کی ترتیب میں منہمک تھا۔ عدیم الفرصتی کے سبب خاموش رہا۔ مگر جب دو سال بعد پھر اصرار بڑھا، لوگوں کے نیک جذبات کا احترام اخلاقی فرض سمجھ کر اقرار کر لیا۔ نومبر ۱۹۸۹ء میں کتابیں اکٹھا کیں۔ مواد کی فراہمی کا کام شروع ہوا۔۔۔ خیال تھا دو تین ماہ میں ساٹھ ستر صفحے کی کتاب تیار ہو جائے گی مگر اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اس مدت میں پورے میٹرس بھی فراہم نہ ہوسکے اور دوسری مصروفیات دامن گیر ہوئیں۔۔۔ کام رک گیا۔ اپریل، مئی ۱۹۹۰ء میں دوبارہ کام شروع ہوا۔ مگر کتاب کی ضخامت اتنی بڑھی کہ تعطیل کے ایام گزر گئے اور کام پورا نہ ہوسکا۔ جنوری ۱۹۹۱ء میں تیسری بار محب محترم حضرت مولانا محمد ممتاز عالم صاحب مصباحی استاذ جامعہ شمس العلوم کی ترغیب پر نظر ثانی اور باقی حصہ کی تکمیل کا کام اس عزمِ صمیم کے ساتھ

شروع ہوا کہ اس بار جیسے بھی ہو کام پورا کر دیا جائے تاکہ آئندہ دوسرے کام کا آغاز کیا جاسکے۔

مولانا موصوف نے چند ذی شعور طلبہ کو میری مدد کے لیے متعین فرمایا جس سے میری مشکلات بڑی حد تک آسان ہوگئیں۔ از سرنو مواد کی تفتیش اور مسودہ کی تبییض کا کام شروع ہوا۔ بحمدہ تعالیٰ ۴ ماہ کی جدوجہد کے بعد کتاب "داستانِ حرم" (ابتلاء و آزمائش کے تناظر میں) مکمل ہوئی۔

ناظرینِ کرام کی خدمت میں "داستانِ حرم" اس احساس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ علمی بے بضاعتی، وقت کی تنگی، مصادر و مآخذ کی کمیابی کے سبب موضوع کا حق کماحقہ ادا نہ کر سکا۔ اہلِ نظر اصحابِ علم حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ کوتاہیوں اور خامیوں کی نشاندہی فرمائیں تاکہ آئندہ تصحیح کی جاسکے۔

محمد عاصم اعظمی
بیت الحکمہ، کریم الدین پور، گھوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قانون آزمائش اور صبر واستقامت

ابتلاء و آزمائش ایک اٹل قانون فطرت ہے جس سے ہر صاحب ایمان کو دوچار ہونا ہے۔ یہ سنت الٰہیہ ہے کہ ہر داعی اور موید کو آزمایا جاتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔	اور بے شک ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف، بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔

(البقرۃ: ۱۵۵)

دنیا میں حق و صداقت کے علمبرداروں کو ہر دور میں مصائب آلام کی دشوار گزار وادیوں سے گزرنا پڑا۔ مشکلات قدم قدم پر سدِ راہ بنیں، شموئیل اسمائلز لکھتا ہے:

"انسانی تاریخ میں ترقی کا ہر قدم مخالفتوں اور مشکلات کو برداشت کر کے اٹھایا گیا ہے اور شیر دل اور بے جگر لوگوں نے ہی کامیابی حاصل کی ہے۔ خواہ وہ نظریات کے موجد ہوں یا اکتشافات کرنے والے، وہ وطن دوست ہوں یا زندگی کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے، مشکل ہی سے کوئی حقیقت اور کوئی نظریہ ایسا ہوگا جس کو قبولِ عام سے پہلے نفرت، الزام اور

مصائب سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ بقول ہیلن کلمۂ حق کے ساتھ ہی ساتھ دار و رسن ہے۔" (کردار ص ۵۹)

جو لوگ اپنی خام خیالی اور کور مغزی کے سبب یہ گمان کرتے ہیں کہ صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کر دینے کے بعد انہیں آزمائش کی صعوبتوں اور سختیوں سے نجات حاصل ہو جائے گی اور وہ کامرانیوں سے ہمکنار ہو جائیں گے تو ان کا یہ خیال محض غلط اور باطل ہے۔ قرآن حکیم لوگوں کے اس غلط خیال کی تردید فرماتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○ (العنکبوت: ۲)

کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی۔

یہ آزمائش کا قانون ہبوطِ آدم سے لے کر آج تک باقی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے برگزیدہ انبیاء و رسل اور بندگانِ حق کو مبتلائے مصائب کیا۔ اشرف انسانیت اور خیار امت نے اپنے عظیم استقلال اور ایمان کامل کا ثبوت آزمائشوں کی سخت و ناگوار ساعتوں میں پیش کیا اور راہِ تسلیم و رضا میں سپردگی و ایثار کی زریں مثالیں پیش کیں۔

قرآن اس سنت الٰہیہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ○ (العنکبوت: ۳)

اور بے شک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا کہ ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما يزال البلاء بالمومن والمومنة في نفسه وولده وماله حتى يلقى الله وما عليه خطيئة۔ (ترمذی)

مومن مرد اور عورتوں پر وقتاً فوقتاً آزمائش آتی رہتی ہے کبھی خود اس پر کبھی اس کی اولاد پر یہ مصیبت آتی ہے اور کبھی اس کا مال تباہ ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ سے ملتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں

کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے راضی ہو جاتا ہے تو اس کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے اگر وہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کر لیتا ہے اور اگر وہ آزمائش پر راضی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے (اپنے خاص بندوں میں) چن لیتا ہے۔" (مکاشفۃ القلوب ص ۵۲۵)

آزمائش کی ضرورت

حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اس ہمہ گیر قانونِ ابتلاء اور اس کے نفاذ کی ہمہ جہتی بھی اپنے اندر بے اندازہ مصلحتیں اور بے کراں حکمتیں رکھتی ہے۔

یہ آزمائش محض آزمائش ہی نہیں ہوتی بلکہ اپنے اندر بڑے زبردست دینی فوائد بھی رکھتی ہے۔ زبانی دعویٰ اسلام میں ایک سچے مومن اور فریب کار منافق کے درمیان تمیز و شناخت کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ ہاں جو چیز منافقوں کو اہل ایمان کی برگزیدہ جماعت سے جُدا کرتی اور سچوں، جھوٹوں کے درمیان خط امتیاز کھینچتی ہے وہ آزمائش ہی ہے۔

آزمائش اہلِ ایمان کے گروہ سے ان فاسد عناصر کو جن کے دعویٰ محض نوک زبان سے ہوتے ہیں الگ کر دیتی ہے۔ ولیعلمن اللہ الذین امنوا ولیعلمن المنافقین۔

اس آزمائش و ابتلاء کی کسوٹی پر پہنچ کر خود اہل ایمان بھی منافقوں کے مکر و فریب اور ملمع ساز قبیح طینت سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ابتلاء و آزمائش دعویٰ ایمان میں صادق و کاذب دونوں کے فکر و عمل میں ایک واضح فرق پیدا کر دیتی ہے۔ جب آزمائش آتی ہے صادق القول مومن کا یہ عمل ہوتا ہے کہ وہ اللہ و رسول کی پکار پر حیلہ بازی اور بہانے تلاش نہیں کرتا اور جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ اپنے زاویہ فکر و عمل کو مصلحت کوشی اور دنیاوی مفاد سے الگ کر کے مشیت ایزدی کا پابند بناتا ہے اور اس کے

فکر و عمل کا یہ انداز اس کے ایمان و اعتقاد کی توانائی اور قوت کا سبب بنتا ہے۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝

وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا۔ ان کے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے بڑا ثواب ہے۔ وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا توڑا تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز۔

(آل عمران: ۱۷۳-۱۷۲)

اور وہ لوگ جن کے دعوے کھوکھلے ہوتے ہیں، وہ دین کی راہ میں اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر جان و مال کی قربانی تو بڑی چیز ہے، آنسوؤں کے چند قطرے اور پسینے کی چند بوندوں کو بھی پیش کرنے سے منہ چراتے ہیں۔ ممکن حد تک حیلہ و فن سے زمانہ سازی کی کوشش کرتے ہیں یا اپنے دل کی بات ظاہر کر کے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔

آزمائش کے وقت عملی رویہ سے قطع نظر اندازِ فکر میں بھی زبردست تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اہلِ ایمان کا اندازِ فکر یہ ہوتا ہے کہ وہ ان آزمائشوں کو اپنی منزل مقصود کے لازمی مراحل تصور کرتے ہیں۔ ان کا کامل اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ آزمائش ہمارے دعوئ ایمان کی صداقت کو پرکھنے کے لئے ہے اور اس امتحان میں کامیابی ہی ہمیں نجات کی منزل مقصود تک پہنچائے گی۔ اہلِ ایمان اس بات کا کامل یقین رکھتے ہیں کہ انہیں ضرور آزمایا جائے گا، اسی لئے وہ آزمائشوں کے وقت چیں بہ جبیں نہیں ہوتے اور نامساعدتِ روزگار کا گلہ نہیں کرتے بلکہ ایسا ہی کردار پیش کرتے ہیں جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جبکہ کفار و مشرکین عرب کی ساری عسکری قوتیں مجتمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ آئی تھیں اور ان کی بلاخیز موجوں کا تیور یہ بتا رہا تھا کہ مدینہ کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ ایسے پرُ آشوب ماحول اور

عظیم ابتلاء و آزمائش کی گھڑی میں اہلِ ایمان نے کیا کیا۔

قرآن بیان کرتا ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ (الاحزاب: ۲۲)

جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے، بولے یہ ہے وہ جو وعدہ دیا تھا ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا۔

اور ان کے انداز فکر و عمل کا جو ثمرہ عطا کیا گیا وہ کتنا عظیم اور کتنا گراں قدر تھا۔

لیکن جو لوگ اپنے دعوے میں سچے نہیں ہوتے، ایمان و اعتقاد کی معیارِ آزمائش پر پورے نہیں اترے، اس منزل پر پہنچتے ہی ان کی حواس باختگی اور اضطرابِ قلب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جب آزمائش سر پر آجاتی ہے تو وہ اہلِ حق کی معیت و حمایت سے الگ ہو جاتے ہیں ۔

منزلِ دار و رسن آئی تو روپوش ہوئے
وہ جو پھرتے تھے حقیقت کے طرفدار بنے

آزمائش کے ذریعہ مخلصین کے معیارِ اخلاق و تقویٰ کو بلند کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ان کے دلوں کا میل آزمائش کی بھٹی میں جل کر ختم ہو جاتا ہے۔ مشکلات و مصائب کے لگاتار مقابلے سے ایمان کی کمزوریاں توانائیوں سے بدل جاتی ہیں، شکوک و شبہات کے اندھیروں میں یقین و اذعان کی شمعیں فروزاں ہو جاتی ہیں۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (آل عمران: ۱۵۴)

اور اس لئے کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔

عزم و استقلال کی توانائی ہی ایمان و اخلاق کو پختگی اور بلندی عطا کرتی ہے۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا

تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا (اور معافی

تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۵۳)

اس لئے سنائی) کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو اُفتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اس طرح اہلِ ایمان کی توجہ ہر حال اور ہر آن ذاتِ خداوندی اور مشیت خداوندی کی طرف مبذول رہتی ہے۔ آزمائش مومن کی صفت صبر و استقلال اور معیارِ تقویٰ کی بلندی کا سبب بنتی ہے۔ گویا یہ استقلال باعثِ خیر ہوتا ہے۔ من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ۔ (ترمذی)

انعام آزمائش

قانون آزمائش ایک ہمہ گیر قانون ہے۔ جس سے انسانوں کے دعویٰ ایمان و اعتقاد کی صحت جانچی اور پرکھی جاتی ہے اور اہلِ ایمان کے معیار اخلاق و تقویٰ کی بلندی کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ آزمائشوں میں کامیاب و کامران ثابت ہونے والوں کے لئے زبردست انعاماتِ خداوندی فرد و قوم کے حصہ میں آتے ہیں اور بشارتِ ربانی ان کے حق میں ہوتی ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۵۶-۱۵۵)

اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔

صبر انسانی اخلاق کا وہ جوہر ہے جس سے فرد کی ذاتی زندگی میں کردار کی بلندی، متانت، عزم و استقلال جیسی صفات کمالیہ پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے مفید اور صحت بخش اثرات اجتماعی زندگی پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ایک فرد کے اندر اس صفت کا کما حقہ وجود اس کے گرد و پیش پھیلے ہوئے معاشرہ اور ماحول کو بہت سے فتنوں، شورشوں، عداوت و دشمنی اور جنگ و جدال کی لعنتوں سے بہت حد تک محفوظ رکھتا ہے۔

صبر آلام و مصائب پر بے قراری کا اظہار نہ کرنے، مشکل و دشوار حالات میں

ثبات و استقلال کے قائم رکھنے کا نام ہے۔ الصبر الامساک فی الضنین۔ یعنی تقاضوں کی انفرادی و اجتماعی تکمیل پر ناساعدت روزگار کے باعث آنچ نہ آنے دینا، حالات کی ناسازگاری، حق پرستی کی آزمائشوں پر سخت یلغار میں بدستور شاہراہِ دین پر قائم رہنے اور جبینِ استقلال پر شکن اور زبان پر حرفِ شکایت نہ لانے کو صبر کہتے ہیں۔

الصبر حبس النفس علی ما یقتضیه العقل و الشرع او اما یقتضیان حبسها عنه۔ (المفردات)

یعنی عقل و شرع کے مطالبات پر اپنے آپ کو جمار کھنے یا جن چیزوں سے رکنے کا وہ تقاضا کریں ان سے اپنے آپ کو روکنے کا نام صبر ہے۔

دین کی راہ میں آزمائشوں پر صبر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مصائب پر صبر کی تلقین اس طرح کی گئی:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۝ (المزمل: ۱۰)

کفار جو (کچھ آپ کی مخالفت میں) کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور خوش اسلوبی سے انہیں نظر انداز کر دو۔

خود مسلمانوں کو بھی ناخوشگوار سنگین حالات میں صبر کی ہدایت کی گئی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝ (البقرہ: ۱۵۳)

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

مصائب و آلام پر صبر و استقامت اہلِ ایمان کی علامتِ ایمان بن گئی۔

"آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت سے پوچھا، تم کون ہو؟ انہوں نے کہا مومن۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ انہوں نے کہا ہم مصائب پر صبر کرتے ہیں، فراخی میں شکر ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! تم مومن

ہو۔" (مکاشفہ ص ۵۲۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ایمان کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ایمان، صبر اور سخاوت کا نام ہے۔ اور فرمایا: صبر جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

یہ آزمائشیں جتنی سخت ہوں گی اسی قدر بلندی درجات کا سبب بنیں گی۔ بشرطیکہ ان پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عظیم الجزاء مع عظیم البلاء وان اللہ تعالی اذا احب قوما ابتلاھم فمن رضی فلہ رضا ومن سخط فلہ السخط۔ (ترمذی)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آزمائش جتنی سخت ہوگی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا۔ (بشرطیکہ آدمی مصیبت سے گھبرا کر راہ حق سے بھاگ کھڑا نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے تو ان کو (مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لئے) آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ پس جو لوگ خدا کے فیصلہ پر راضی رہیں اور صبر کریں تو اللہ ان سے خوش ہوتا ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ سے ناراض ہوں تو اللہ بھی ان سے ناراض ہو جاتا ہے۔

بندۂ مومن کے لئے معمولی سے معمولی آزمائش اور راہِ حیات کی تنگی گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما یصیب المسلم من نصیب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا اذی ولا غم

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی قلبی تکلیف، کوئی جسمانی بیماری، کوئی دکھ اور غم پہنچتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے

حتی الشوکہ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایا۔ (بخاری و مسلم)

یہاں تک کہ اگر اسے کانٹا چبھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بنادیتا ہے۔

ابتلاء و آزمائش پر صبر و شکر کے خوشگوار نتائج و انعامات دنیا کی زندگی میں کامیابی و کامرانی کی صورت میں بھی میسر آتے ہیں اور آخرت میں بھی بلندی درجات کا سبب بنتے ہیں۔ دنیا کی عظیم دینی، علمی، دعوتی شخصیتوں کی اُفق تاریخ پر کھینچی ہوئی زریں کہکشاں اس امر کی گواہ ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آزمائش بادی النظر میں انسان کی ہستی اور اس کی دولت و سرمایہ کی بربادی، ناکامی و نامرادی کا پتا دیتی ہے۔ مگر ایسا نہیں، ان عظیم عزیمت مآب ہستیوں کی ظاہری ناکامی و نامرادی پر ذرا غور و تامل سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ابتلاء و آزمائش کی سختیوں نے جسم و روح کا تعلق توڑ دیا مگر انہیں جو حیاتِ جاوداں عطا ہوئی وہ ہزار سالہ کامیاب و کامراں زندگی پانے والے کے لئے بھی قابلِ رشک بن گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت مسیح علیہ السلام سے اکیس سو سال پیشتر کی بات ہے، اپنے وقت کا جابر فرمانروا نمرود (جس کا پایہ تخت شہر اُر (بابل) وسعت آبادی تجارت و ثقافت کے لحاظ سے دنیا کے عظیم شہروں میں شمار کیا جاتا تھا) اپنے ناز و تمکنت کے تخت پر بیٹھا ہے۔ مدبر، اعیانِ سلطنت و حکومت، تعبیرداں، ماہرینِ نجوم، مزاج شناس شاہی ندیم حیرانی و پریشانی کی حالت میں خاموش ہیں کیونکہ آج دنیا کی عظیم سلطنت کا مطلق العنان حکمران خلافِ معمول متفکر نظر آ رہا ہے۔ اس کے سُرخ و سپید چہرے کا اُڑا ہوا رنگ کسی اندرونی خلش کا پتا دے رہا ہے۔ چار سو سالہ دور حکومت میں نمرود کو اس درجہ غمزدہ، پریدہ رنگ، اداس، مضطرب کبھی نہیں دیکھا گیا۔

نمرود نے اپنے پرستار وزراء، امراء، ندماء اور مذہبی پیشواؤں کے سامنے گہری فکر

و تشویش کے بعد ہونٹوں کو جنبش دی اور لرزتی کانپتی آواز میں کہا:

"گزشتہ رات ہم نے خواب دیکھا کہ آسمان پر ایک تابناک ستارہ طلوع ہوا جس کی روشنی کے سامنے شمس و قمر کی روشنی ماند پڑ گئی۔ اس خواب نے ہمیں ایک انجانے کرب میں مبتلا کر رکھا ہے۔"

نمرود کا خواب سن کر نجوم و فلکیات کے ماہر تعبیر شناسوں نے اپنے سر جیبِ تفکر میں جھکا لئے اور اپنے علم و فن کے مطابق حصولِ تعبیر کے لئے تخمین وظن کے تانے بانے بننے شروع کر دیئے۔

غور و تامل کے بعد ملک کے معبروں نے بیک زبان خواب کی تعبیر پیش کرتے ہوئے کہا:

انا نجد فی علمنا ان غلاما یولد فی قریتک ھذہ ویقال لہ ابراھیم یفارقک فی دینکم ویکسر اوثانکم فی شھر کم کذا وکذا من سنتہ کذا وکذا۔	ہم اپنے علم کے مطابق خواب کی یہ تعبیر پاتے ہیں کہ ایک لڑکا فلاں مہینہ، فلاں سنہ میں تمہارے اس قریہ میں پیدا ہوگا جس کا نام ابراہیم ہوگا جو تمہارے دھرم میں تفریق ڈالے گا اور تمہارے بتوں کو توڑ دے گا۔
(تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۶۴)	

خواب کی تعبیر نے تمام اعیان حکومت اور اوثان پرست پروہتوں کو غم و اضطراب میں نمرود کا سہیم و شریک بنا دیا۔ سب کی نخوت و آمریت نے جوش مارا۔ جبرو استبداد کے اصولوں پر قائم نظام آمریت اور طاغوتی دستورِ فکر کی بنیادوں پر استوار ہونے والی مشرکانہ مذہبیت کو مستقبل کی شکست و ریخت سے محفوظ رکھنے کا فقط ایک ہی راستہ نظر آیا اور وہ یہ کہ ستارۂ پُرنور کو طلوع ہونے سے قبل ہی ظلم و تشدد کے غار میں روپوش کر دیا جائے۔

نمرود کا جابرانہ حکم صادر ہوا۔ "سارے حدودِ سلطنت میں حمل شناس عورتوں کو مامور کر دیا جائے وہ حاملہ عورتوں کی تفتیش کریں جو لڑکا پیدا ہو اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔"

شاہی فرمان جاری ہوتے ہی نومولود بے گناہ لڑکوں کے قتل کا عمل شروع ہو گیا، ہزاروں بچے قتل کر دیئے گئے۔

اقتدار و اختیار کے ظالمانہ استعمال سے نمرود اور اس کے ہوا خواہ آنے والے خطرے سے مطمئن ہو گئے۔ مگر مشیت ایزدی انسانوں کی تدبیر اور ان کی قدغن سے بھلا رک سکتی ہے۔ نمرود کے ایک معتمد ندیم، شاہی مہنت اور ماہر بُت ساز آزر کے گھر ام ابراہیم حاملہ ہوئیں۔ حمل شناس سراغ رساں عورتیں اس گھر بھی آئیں مگر کم سنی کے سبب ام ابراہیم کا حمل شناخت میں نہ آسکا اور وہ نمرودیوں کی گرفت سے بچ گئیں۔ جب ایامِ حمل پورے ہوئے، ام ابراہیم ایک غار میں چلی گئیں جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پیدا ہوئے اور رشد و ہدایت کا کوکب تابندہ فدان آرام کے تاریک غار میں پروان چڑھتا رہا۔ معبودِ حقیقی کی مشیت کے سامنے معبودِ باطل کی یہ پہلی شکست فاش تھی۔

شعورِ نبوت اور اعلانِ صداقت

آزر کدہ چھوٹے بڑے بے شمار پتھر، لکڑی اور کانسے کے بت، آزر اور قوم کے کچھ افراد محو عبادت، یہ منظر سلیم الطبع، بالغ نظر ابراہیم نے اپنے گھر میں دیکھا۔ بُت گری، بُت پرستی جو فکرِ صحیح اور عقلِ سلیم کے علی الرغم جاہلیت خالص کی پیروی ہے۔ صالح فکر و شعور رکھنے والے ہونہار نوخیز کے لئے اس پر یارائے صبر و ضبط کہاں؟ جس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء:۵۱)	اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اول ہی سے رشد و ہدایت عطا کی تھی اور ہم اس کے معاملے کے جاننے والے تھے۔

ہونہار ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے افراد سے دریافت کیا:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ	جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم

اَلتَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ○ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عَابِدِيْنَ ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانبیاء: ۵۲-۵۴)

سے کہا یہ مجسمے کیا ہیں؟ جن کو تم لئے بیٹھے ہو، کہنے لگے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو انہیں کی پرستش کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا بلاشبہ تم اور تمہارے آباؤ اجداد کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

صدیوں کی مشرکانہ روش اور آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید کے خلاف یہ ایسی آوازِ صداقت تھی جس نے نمرود کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا۔ وہ لوگ جو اس باطل نظامِ دین کے خلاف ایک لفظ سننے کی تاب نہ رکھتے تھے، انہوں نے کہا:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ○ (الانبیاء: ۵۵)

انہوں نے کہا کیا تو ہمارے لئے کوئی حق لایا ہے یا یونہی مذاق کرنے والوں کی طرح کہتا ہے۔

اس موقع پر خدائے واحد کی ربوبیت کا اعلان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (الانبیاء: ۵۶)

ابراہیم نے کہا (یہ بُت تمہارے رب نہیں ہیں) بلکہ تمہارا پروردگار زمین اور آسمانوں کا پروردگار ہے اور بے شک میں اسی بات کا قائل ہوں۔

شہر بابل (اُر) کے کوچہ و بازار میں ایک نوخیز جوان پتھر اور لکڑی کے بتوں کو لے کر صبح سے شام تک پھرتا رہا۔ نوجوان بت پرستوں کے شہر میں صدا دے رہا تھا، با آواز بلند پکار رہا تھا:

من يشترى ما يضره ولا ينفعه۔ (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۶۵)

اے اصنام و اوثان کے پجاریو! کون ہے جو ایسے بُتوں کو خریدے گا جو نہ اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی اسے نفع دے سکتے ہیں۔

شہر کے خرد و کلاں اپنے کانوں سے بتوں کی لایعنیت کا برملا اعلان سنتے رہے مگر حق کے داعی کو بتوں کی اہانت سے کوئی باز نہ رکھ سکا اور کسی نے ابراہیم سے بت نہ خریدے۔

کوچہ و بازار میں بتوں کی توہین و تذلیل کے بعد حضرت ابراہیم بتوں کو لئے ہوئے نہر پر پہنچے۔

فصوب فیہ رءوسھا وقال اشربی استھزاء لقومہ۔ (ایضاً)

پس بتوں کے سر نہر میں ڈبو کر اپنی قوم کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا پانی پیو۔

حضرت خلیل اپنے اس طرز عمل سے بت پرست قوم پر واضح کر دینا چاہتے تھے کہ پتھر یا لکڑی کے خود ساختہ بتوں کی پرستش اس خیال سے کرتے ہو کہ وہ تمہاری حاجت روائی یا تمہیں نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں یا بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں جو تمہاری سفارشات پہنچانے کی اہلیت رکھتے ہیں تو اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ لو یہ میرے ہاتھ میں کس درجہ بے بس ہیں۔ تمہارے مشرکانہ عقائد محض فتورِ عقل اور کور دماغی کی پیداوار ہیں۔ تمہیں شیطان نے راہِ حق سے جُدا کر کے دامِ تزویر میں پھنسا رکھا ہے۔

آغازِ دعوت

بُت گر، صنم تراش آزر ملک کے بڑے پروہتوں میں سے تھا جو نمرود کے مزاج میں بڑا دخل رکھتا تھا۔ شرک و کفر کے سارے منصوبے اسی کے گھر بنتے، قوم کے عام و خاص ہر طبقہ میں آزر کو عزت و وقار کی نظر سے دیکھا جاتا۔ نبی برحق حضرت خلیل اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ مذہبی پیشواؤں اور معبد کے پجاریوں کو عوام سے لے کر بادشاہ تک رسوخ حاصل ہے۔ اگر دعوتِ حق پجاریوں میں اثر کر گئی تو پورے سماج پر خوشگوار اصلاحی تبدیلی بہت حد تک ممکن ہو سکے گی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے گھر سے حق و صداقت کی دعوت کا آغاز فرمایا۔ اپنے باپ آزر کو فطری دلائل کی روشنی میں بُت پرستی کی لایعنی روش سے باز رہنے اور خدائے وحدہ لاشریک کی اُلوہیت

و ربوبیت کے سچے عقیدے کو دل و دماغ میں اتارنے کی پیغمبرانہ کوشش شروع کر دی اور بار بار گم گشتہ راہِ حق آزر کو پیغامِ حق سناتے رہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الانعام: ۷۴)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو۔ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

دوسرے مقام پر آزر سے یوں کلام کرتے ہیں:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْــًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ (مریم: ۴۲-۴۵)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! تو ایسی چیز کی پرستش کیوں کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور جو تیرے کسی کام نہیں آ سکتی۔ اے میرے باپ! علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی۔ پس میری اتباع کر میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کر، شیطان تو خدائے رحمٰن کا نافرمان ہو چکا ہے۔ اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو خدائے رحمٰن کی جانب سے تجھے کوئی عذاب گھیرے اور تو شیطان کا ساتھی بن جائے۔

ناعاقبت اندیش آزر نے جواباً کہا:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ (مریم: ۴۶)

حضرت ابراہیم نے کہا میرا سلام قبول ہو۔ (میں الگ ہو جاتا ہوں) اب میں اپنے پروردگار سے تیری بخشش کی دعا کروں گا وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔

قوم کو دعوتِ حق و صداقت

نمرود بن کوش کی راجدھانی شہر اُر یا (بابل) آج سے چار ہزار سال قبل دنیا کے عظیم اور متمدن شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ آثار قدیمہ کی تحقیق و دریافت کے مطابق کوفہ و بصرہ کے درمیان زیر زمین مدفون شہر کی آبادی تقریباً ڈھائی لاکھ تھی۔ اس شہر کے باشندے عمرانیات کے اصول اور مدنی زندگی کے تقاضوں سے پوری طرح واقف تھے۔ صنعت و حرفت اور تجارت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ معاشی خوشحالی اور دنیاوی حشمت و جاہ، عزت و وقار سے ہمکنار تھے مگر تمدن و ثقافت، سیم و زر سے مالا مال قوم حق پرستی سے بہت دور باطل اور خلافِ عقل افکار و عقائد کی کورانہ تقلید کر رہی تھی۔ مادی خوشحالی اور اس کے حصول کی بے جا طمع نے چشمِ بصیرت پر دبیز پردے ڈال دیئے تھے۔ وہ سراسر مادیت اور مظاہر پرستی کی لعنتوں میں مبتلا ہو کر حق طلبی و حقیقت رسی سے بے نیاز شرک و گمراہی کی پُر پیچ تاریک وادیوں میں سرگرداں تھی۔ لاتعداد بتوں کی پوجا، گمراہ پجاریوں کی اطاعت اور نمرود کی پرستش ان کا شیوہ بن چکی تھی۔

حضرت ابراہیم خلیل نے گھر کی چار دیواری سے نکل کر پوری قوم کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر دینِ حنیفی کے صالح افکار و عقائد کی روشنی میں خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرَاهِيْمَ ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ

اور سنا دے ان کو خبر ابراہیم کی، جب کہا انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے تم کس کو پوجتے ہو؟ وہ بولے ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ پھر سارے دن انہیں کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ پھر ابراہیم نے کہا کیا تمہارا کچھ سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو؟ یا تمہارا کچھ بھلا کرتے ہیں یا نقصان پہنچاتے

يَفْعَلُوْنَ ○ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ○ وَالَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○ (الشعراء: ٨٢-٦٩)

ہیں؟ قوم نے کہا نہیں، پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو یہی کام کرتے ہوئے پایا۔ ابراہیم نے کہا کیا تم بھلا دیکھتے ہو جن کو پوج رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادا، وہ میرے دشمن ہیں مگر جہان کا رب، جس نے مجھ کو پیدا کیا، وہی مجھے راہ دکھاتا ہے، اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے، اور وہ مجھے مارے گا پھر جلائے گا اور جس سے مجھے امید ہے کہ بخشے گا میری تقصیر انصاف کے دن۔

حضرت ابراہیم کی قوم دعوت اصنام پرستی کے ساتھ نجوم و کواکب کی الوہیت پر بھی یقین رکھتی تھی۔ ملک کا پورا معاشرہ نجوم و فلکیات کے ماہرین اور کاہنوں کی گرفت میں تھا۔ انہوں نے آفتاب و ماہتاب اور دیگر اجرام سماوی کی قوتِ نفع و ضرر اور کارخانہ ہستی میں ان کی تسخیری توانائی کا باطل عقیدہ اس طرح راسخ کر دیا تھا کہ نظام حیات و کائنات میں ان کی اثر آفرینی کے یقین نے مادہ پرست قوم کے دل و دماغ کو مخلوقیت کے دائرے سے خارج کر کے خالقیت کے درجہ پر فائز کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قوم کے جذبہ عبودیت نے ستارہ زہرہ کی تشبیہ اشتراء کے نام سے بنالی تھی جسے وہ حُسن و محبت کی دیوی کہتے تھے۔ چاند کی تمثیل ننار کے نام سے تیار کی تھی اور سورج کا بُت شموش کے نام سے تراش لیا تھا۔ ان تین اہم بتوں کے علاوہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہر ہر کام کے لئے جُدا جُدا ان گنت مجسّمے تھے جن کے سامنے عقیدت کی نذریں گزارتے اور ان کے رُوبرو سر اطاعت و نیاز خم کرتے۔

ایسے پُر آشوب دور میں شعورِ نبوت، قوم کی اعتقادی و عملی بے راہ روی اور بدترین گمراہی کو مشاہدات کی روشنی میں رد کرتا ہے اور انسانی عقل و فراست پر اوہام کے پڑے ہوئے کثیف پردوں کو اُٹھا کر جستجوئے حق کی راہ آسان کرتا ہے۔ واہمہ پرست کور دماغ، قوم

کے سامنے اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ اجرامِ سماوی خالق و معبود نہیں بلکہ مخلوق ہیں اور دنیا کو روشنی و حرارت اور زینت دیتے ہیں اور خدائے بزرگ و برتر کے قائم کردہ نظام کے تابع ہیں، اسی کے مقررہ خطوط پر شب و روز گردش کرتے ہیں۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا (الانعام: ۸۱-۷۶)

جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے آسمان پر ایک ستارہ دیکھا۔ اس نے کہا یہ میرا پروردگار ہے (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں۔ پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیم نے کہا یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں ضرور اسی گروہ سے ہوتا جو راہ راست سے بھٹک گیا ہے۔ پھر جب صبح ہوئی اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیم نے کہا یہ میرا پروردگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بیزار ہوں، میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اس ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جو آسمان و زمین کی بنانے والی ہے اور مشرکین میں سے نہیں۔ پھر قومِ ابراہیم نے اس سے مباحثہ کیا تو ابراہیم

نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں
جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے راہِ حق
دکھا دی ہے، جنہیں تم نے خدا کا شریک
ٹھہرا لیا ہے میں ان سے نہیں ڈرتا۔ میں
جانتا ہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا
سکتا۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی مجھے نقصان
پہنچانا چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے
تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پھر کیا تم
نصیحت قبول نہیں کرتے۔ دیکھو میں ان
ہستیوں سے کیوں ڈر سکتا ہوں، جنہیں تم
نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ جبکہ تم اس
بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ
دوسروں کو شریک ٹھہراؤ جن کے لئے اس
نے تم پر کوئی سند نہیں اتاری۔

یہ واقعہ ایک خاص مناظرانہ نوعیت کا تھا جس میں اجرامِ فلکی کی حقیقت کو واضح کیا گیا تھا اور قوم کے باطل نظریہ الوہیت پر ضرب لگائی گئی تھی۔

باطل پرست قوم حضرت ابراہیم کی دلیل سے لاجواب ہو گئی، مگر صدیوں کی بت پرستی اور واہمہ نے ان کی عقلوں کو ماؤف کر دیا تھا۔ جب ان سے کچھ نہ بن پڑا تو آپ سے جھگڑنے لگے۔ نبی برحق کفرو شرک کے نرغے میں اللہ کی بخشی ہوئی قوت و جرأت کے باعث ہراساں نہ ہوا اور تبلیغ حق کے مشن کو جاری رکھا اور اس نے پوری قوم کے باطل نظریہ بت پرستی کو عملاً ضرب کاری لگانے کا فیصلہ کر لیا اور قوم سے خطاب فرمایا:

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ (الانبیاء: ۵۷)	خدا کی قسم میں تمہاری غیر حاضری میں تمہارے بتوں کے ساتھ خفیہ چال چلوں گا۔

بُتوں کی شکست وریخت

بُتوں کی شکست وریخت کا منصوبہ حضرت ابراہیم نے اس لئے تیار کیا کہ مشرکین پر یہ بات واضح کردی جائے کہ شیطانی وسوسوں اور نفسانی واہموں کے نتیجہ میں تراشے گئے مجسّمے جن کی پرستش تم اور تمہارے آباؤ اجداد صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں، ان میں اپنے پرستاروں کو نفع و مضرت رسانی کی قدرت تو درکنار خود اپنے وجود کی حفاظت کی صلاحیت بھی موجود نہیں۔ یہ پتھر اور دھات کے بے جان بُت نہ تو اپنی ذات کو بچا سکتے ہیں نہ اپنے دشمن کو اس کے ارادوں سے باز رکھ سکتے ہیں۔ وہ اسی طرح نرے پتھر اور بے جان لکڑی ہیں جس طرح دوسرے شجر و حجر، یہ دیوی دیوتا عہد ظلمت کی یادگار اور شیطان کے فریب خوردہ مذہبی رہنماؤں کے باطل تخیلات کی ناکارہ پیداوار ہیں۔

ایک عظیم قومی میلے کا دن تھا جس میں شہر کی پوری آبادی شریک ہوتی۔ بادشاہ اعیانِ سلطنت، مذہبی پیشوا، رعایا سے پورا شہر اور اُر کا بڑا صنم خانہ جو شوکت و عظمت میں شاہی محل سے کم نہ تھا، خالی ہوگیا۔ بعض لوگوں نے حضرت ابراہیم سے بھی میلے کی شرکت پر اصرار کیا۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ (صافات: ۹۰-۸۸)

آپ نے ستاروں کی جانب دیکھا پس کہا میں بیمار ہوں تو لوگ انہیں (چھوڑ کر) چلے گئے۔

جب پوری قوم شہر سے باہر میلے میں عیش و نشاط میں مصروف تھی، حضرت ابراہیم طے شدہ نظام عمل کے مطابق بُت خانے میں داخل ہوئے۔

فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ (صافات: ۹۵-۹۳)

وہ چپکے سے ان کے بتوں میں جاگھسے اور کہنے لگے ان دیوتاؤں سے کیوں نہیں کھاتے۔ تم کو کیا ہوگیا ہے، کیوں نہیں بولتے۔ پھر اپنے ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ (الانبیاء: ۵۸)

پس ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ان میں سے بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تاکہ (اپنے عقیدے کے مطابق) قوم اس کی جانب رجوع کرے (کہ یہ کیا ہوا)

جب پوری قوم داد عیش و طرب دے کر واپس ہوئی۔ معبد کے پجاریوں اور عوام نے اپنے معبودانِ باطل کی شکستگی و زبوں حالی کا مشاہدہ کیا تو کہنے لگے:

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ○ (الانبیاء: ۶۰-۵۹)

کہنے لگے یہ معاملہ ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کیا ہے۔ بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے۔ ان میں سے بعض کہنے لگے ہم نے ایک جوان سے سنا ہے جو ان کا ذکر کر رہا تھا اس کا نام ابراہیم ہے۔

مذہب کے ٹھیکیداروں نے باطل معتقدات کا جو شیش محل بنایا تھا وہ چُور چُور ہو چکا تھا۔ یہ شکستہ بُت زبانِ حال سے ان کی احمقانہ طرزِ فکر و عمل کی لایعنیت کی تکذیب کر رہے تھے۔ ایسی صورت میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ قوم کے باشعور افراد توہم اور باطل پرستی کے دائرے سے نکل نہ جائیں اور صدیوں میں تیار ہونے والے ریت کے ایوانِ اعتقاد کے ریزے خاکِ صحرا کا پیوند نہ بن جائیں۔ چنانچہ مذہبی رہنماؤں اور کور مغز افرادِ قوم نے ایک جم غفیر کے سامنے حضرت ابراہیم کو حاضر کیا اور حضرت ابراہیم سے دریافت کیا۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ (الانبیاء: ۶۲)

بولے اے ابراہیم! کیا تُو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟

جس دعوتی مقصد کے پیش نظر حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑا تھا اب وہ وقت آ چکا تھا کہ پوری قوم پر واضح کر دیا جائے کہ مذہبی اعتقاد و عمل کی دنیا میں تم مبتلائے فریب ہو۔ اس طرز عمل سے خود باطل پرست مذہبی رہنما اپنی زبانوں سے بتوں کی بے حسی اور

ناتوانی کا اقرار کر لیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے مجمع عام میں مشتعل رہنماؤں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے متانت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○ (الانبیاء: ۶۳)	(ابراہیم نے) کہا بلکہ ان میں سے اس بڑے بت نے کیا ہے۔ پس اگر تمہارے دیوتا بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔

آج یہ حقیقت قوم نمرود پر واضح ہو چکی تھی کہ ایک فرد واحد کی ضرب سے ان کے دیوی دیوتا ٹوٹ کر بکھر چکے تھے اور اس اندوہناک منظر کو بڑا بت تماشائی بنا دیکھتا رہا۔ اس کی مفروضہ تابِ الوہیت غیرت میں نہ آئی۔ اور وہ اپنے دشمن کو گرفتار غضب و عتاب نہ کر سکا۔ مندر کے پجاریوں اور مہنتوں سے بھی اعترافِ حق کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا اور انہوں نے وہ سچی بات اپنی زبان سے کہہ دی جو دعوتِ ابراہیمی کا منشاء تھی۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ (الانبیاء: ۶۵-۶۴)	پس انہوں نے سوچا اور کہنے لگے تمہیں ظالم ہو۔ اور بعد ازاں اپنے سروں کو جھکا کر کہنے لگے: اے ابراہیم تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔

مذہبی رہنما اور قوم کے باشعور لوگوں کی آنکھیں کچھ دیر کے لئے کھل گئیں، وہ اپنی باطل شعاری کا اقرار اپنے دلوں میں کرنے کے بعد خود بول اٹھے: ما ھولاء ینطقون۔ جب یہ بت بول نہیں سکتے، اپنی حفاظت نہیں کر سکتے پھر بھلا نظامِ حیات و کائنات میں اپنی قوتِ عمل سے تسخیر کے مجاز کیسے بن گئے؟

حجت ابراہیمی نے پورے ماحول کو دعوتِ حق کے لئے سازگار بنا لیا، قوم سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ	تم اللہ کے سوا ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تم پر افسوس ہے اور تمہارے

اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○	ان معبودوں پر بھی جن کو تم اللہ کے سوا
(الانبیاء: ٦٧-٦٦)	پوجتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟
قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○	(ابراہیم نے) کہا جن بتوں کو تم گھڑتے
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○	ہو، انہیں کو پوجتے ہو۔ حالانکہ اللہ ہی نے
(صافات: ٩٦-٩٥)	تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا۔

بت پرستی کی لایعنیت کے ظاہر ہو جانے کے باوجود صدیوں کی جاہلانہ روشِ اعتقاد و عمل کی دیواریں متزلزل تو ہو گئیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موثر ہدایت کا مثبت اثر ظاہر نہ ہو سکا۔ آباء پرستی، دقیانوسی ذہنیت، انکشافِ حقیقت کے باوجود خوف و طمع کے حصار سے باہر نہ نکل سکی۔

دربارِ نمرود اور اعلانِ حق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ حق نے مشرکانہ طرزِ فکر و عمل کی ہوا خیزی براہین قاطعہ سے اس طرح کر دی تھی کہ مذہبی رہنما اور افراد قوم لاجواب و ششدر ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے وہم و پندار کے بت خانے ٹوٹتے، بکھرتے اور ریگ صحرا کی مانند اڑتے نظر آرہے تھے، کفر و شرک کی بنیادوں پر قائم باطل نظامِ حیات و دین کے تحفظ و بقا کا ایک ہی راستہ نظر آرہا تھا کہ طاقت و اقتدار کے زور سے اس سرمدی آواز اور پیغامِ صداقت کو دبا دیا جائے۔

قوم کے سربر آوردہ افراد اور پروہتوں نے نمرود بن کنعان بن کوش کو ابراہیم خلیل کے طرزِ فکر و عمل سے مستقبل میں باطل نظام کے لئے پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا۔ نمرود جو محض ایک مطلق العنان بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ پورے حدودِ ولایت کا رب خیال کیا جاتا تھا، سرزمین عراق کا مروجہ عفریتی نظامِ شرک و کفر بادشاہ وقت کی دینی و دنیاوی بالادستی کا موید تھا۔ وہ نمرود جس کی سلطنت کی وسعت کے بارے میں مورخین نے مبالغہ آمیز روایتیں نقل کی ہیں، علامہ ابن جریر طبری کے مطابق:

ان اول ملك ملك فی الارض شرقها وغربها نمرود بن كنعان ابن كوش ابن سام ابن نوح وكانت الملوك لذين ملك الارض كلها اربعة نمرود، سليمان بن داود، ذوالقرنين، بخت نصر، مومنان، كافران۔

بے شک پہلا بادشاہ جو پوری روئے زمین کے شرق و غرب کا حکمران ہوا، نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح ہے۔ وہ سلاطین جنہوں نے پوری دنیا پر بادشاہت کی وہ چار ہیں۔ نمرود، سلیمان بن داوٗد، ذوالقرنین، بخت نصر، ان میں دو مومن ہوئے اور دو کافر۔

(تاریخ طبری ج ا ص ۱۶۳)

ہرچند تاریخی اکتشافات کی روشنی میں یہ بات غلط ثابت ہو چکی ہے کہ نمرود پوری روئے زمین کا بادشاہ تھا۔ تاہم یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ وہ اپنے وقت کا عظیم بادشاہ اور وسیع خطۂ ارض کا مالک و مختار تھا مگر تنہا خدا کے داعی برحق کے پیغام صداقت سے اس کے اقتدار و سطوت کا قلعہ لرزنے لگا اور وہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ اگر ابراہیمی دعوتِ حق و صداقت نے عوام کے باشعور حلقوں میں رسائی حاصل کر لی اور صدیوں پرانے کارخانہ اوہام و اوثان پرستی کا طلسم ٹوٹ گیا تو پھر سطوت و اقتدار کے زیر اثر میری ربوبیت و حاکمیتِ اعلیٰ کا یہ شیش محل شکست و ریخت سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے ہی نکبت و زوال کی راہیں مسدود کر دی جائیں۔

نمرود کا پرشکوہ دربار عمائدین حکومت، امراء و رؤسا، دھرم کے ٹھیکیداروں سے بھرا ہوا تھا، وقت کا جابر و ظالم فرمانروا کبر و نخوت اور فرضی جاہ و جلال کا پیکر بنا تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ خدا کا خلیل بت شکن ابراہیم، داعی حق و صداقت، سرِ دربار ایمان و یقین کی غیر متزلزل قوت کے ساتھ کھڑا تھا۔ نمرود کا جاہ و جلال، دشمنوں کا ہجوم، دربار کی شوکت مردِ حق کو ذرا بھی مرعوب نہ کر سکے۔

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا۔ ابراہیم! تو اپنے آباؤ اجداد کے قدیم دھرم سے برگشتہ کیوں ہو گیا؟ بتوں کی پرستش اور ان کی قوتِ تسخیر سے انکاری

کیوں ہے؟ میری ربوبیت و معبودیت کو تسلیم کیوں نہیں کرتا؟ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اپنے اس رب کی جسے تو نے سب کو جھٹلا کر معبود تصور کیا ہے، اس کی دلیل اور نشانی بیان کر؟

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ۔ (البقرہ: ۲۵۸)	کیا تُو نے نہیں دیکھا اس شخص کو جسے اللہ نے بادشاہت عطا کی جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں مناظرہ کیا۔ جب کہا ابراہیم نے میرا پروردگار تو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے۔ (نمرود نے) کہا میں بھی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہوں۔

نمرود نے اپنی دلیل میں سزائے موت پانے والے دو قیدیوں کو طلب کیا اور ان میں سے ایک کو آزاد کر دیا اور دوسرے کو قتل کر دیا۔

حضرت ابراہیم نے سمجھ لیا کہ نمرود موت و زیست کی حقیقت سے ناآشنا ہے یا محض اپنی ذات کو بزعم خویش رب ثابت کرنے کے لئے یہ احمقانہ وطیرہ اختیار کیا ہے تاکہ اس کی باطل ربوبیت کا بھرم سرِ دربار پوری قوم پر نہ کھل جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے کور مغز خفی العقل نمرود سے کہا:

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ (البقرہ: ۲۵۸)	ابراہیم نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس تو اسے مغرب سے نکال (کر دکھا) پس وہ کافر (بادشاہ نمرود) مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

اللہ کے برگزیدہ پیغمبر نے دینِ حق کے مشن کو اپنے گھر کی چار دیواری سے شروع کیا مگر بدبخت آزر نے دنیاوی جاہ و منصب کی طمع میں قبولِ حق سے انکار کیا۔ پوری قوم کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا۔ دلائل و براہین سے مشرکانہ افکار و عقائد کی لایعنیت ظاہر کی۔ خدائے واحد کی ربوبیت و الوہیت کا سچا عقیدہ پیش کیا مگر صدیوں کی

باطل پرستی نے دلوں کی تاریک دنیا میں آفتابِ ہدایت کی شعاعوں کے لئے ذرا بھی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔ ملک و قوم کے اکابر عقلاء دانشوروں کے سامنے نمرود اپنے باطل و بے بنیاد عقیدے کی دیواریں زمیں بوس ہوتے ہوئے دیکھتا رہا مگر سطوت و اقتدار کے نشہ میں سرمست رہا۔ بصیرت کے فقدان نے اعلیٰ و ادنیٰ سب کو طاغوتی نظامِ فکر و عمل کے شکنجے سے نکلنے نہ دیا۔

ہاں! جب بحث و نظر کے میدان میں جرأت مقال باقی نہ رہی تو دربار کے ہٹ دھرم بے بضاعت، سبک سر مہتوں نے بادشاہِ وقت کے طاقت و قوت اور جبر و استبداد کو بروئے کار لانے کا مشورہ دیا۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ○ (الانبیاء: ٦٨)

انہوں نے کہا کہ ابراہیم کو جلاڈالو اگر اپنے دیوتاؤں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو ان کی مدد کرو۔

نمرود نے آتش کدہ تیار کرنے کا شاہی فرمان جاری کیا۔

ایک اہم امتحان

ایک وسیع قطعہ زمین کو آتش کدہ کے لئے تیار کردیا گیا، ہزاروں من لکڑیوں کا انبار اکٹھا کردیا گیا، آگ جلادی گئی، الاؤ تیار ہونے لگا، آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ گردو پیش کا ماحول شعلوں سے جھلسنے لگا، پرندوں کا اوپر سے گزرنا رُک گیا، تو ایک مینار تیار کیا گیا۔ منجنیق نصب کی گئی اور پھر حضرت ابراہیم کو قریب لایا گیا۔ پورا ماحول دشمن تھا، باپ آزر، شہر کے خرد و کلاں، بادشاہِ وقت، سب کی مرضی یہی تھی کہ داعی حق کو نذرِ آتش کردیا جائے، اس کے وجود کو آنِ واحد میں راکھ بنا دیا جائے۔ یہ انتہائی صبر آزما گھڑی تھی۔ ابتلاء و آزمائش کا وہ جاں گسل وقت تھا جب پوری دنیا میں کوئی غم گسار، داد رس نہ تھا۔ مگر خلیل کے پائے ثبات و استقامت میں لغزش نہ آئی۔ آگ کے لپکتے شعلے اسے ہراساں نہ کرسکے، دہکتے انگاروں کی تپش جسم میں ارتعاش پیدا نہ کرسکی۔ آپ کو منجنیق میں رکھا گیا اور دہکتے ہوئے آتش کدہ کی طرف پھینکا گیا۔ جب

فضا میں پہنچے جبرئیل امین حاضر ہوئے اور کہا: الک حاجہ۔ کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ جواب دیا: اما الیک فلا۔ (ابن کثیر ج ا ص ۱۴۸) ہاں اس نازک وقت میں خلیل اللہ کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے:

اللھم انت الواحد فی السماء وانا الواحد فی الارض لیس فی الارض احد یعبدک غیری حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ (تاریخ طبری ج ا ص ۱۶۹)	اے معبودِ حقیقی تُو آسمان میں تنہا ہے اور میں روئے زمین پر اکیلا ہوں، پوری دنیا میں میرے سوا کوئی شخص نہیں جو تیری عبادت کرتا ہو۔ میرے لئے اللہ کی مدد کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔

نمرود اور پوری قوم نے یہ سمجھ لیا کہ دہکتی ہوئی آگ نے ابراہیم کے وجود کو آنِ واحد میں خاکستر کر دیا ہوگا مگر کارسازِ حقیقی نے اپنے خلیل کو بچالیا، پوری شدت کے باوجود آگ ابراہیم کو جلانے کی صلاحیت کھو بیٹھی اور ان کے پاک جسم کے لئے گلزار بن گئی۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ۔	ہم نے حکم دیا اے آگ تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی بن جا۔

(الانبیاء: ۶۹)

ایمان و یقین اور عشق و اخلاص کے اس عظیم امتحان میں خدا کا خلیل کامیاب و کامران ہوا۔

ولادت فرزند حلیم

ارضِ مقدس فلسطین کو اللہ کے خلیل نے مصر سے واپسی کے بعد اپنا مستقر بنالیا جہاں سے دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے۔ زندگی کے تقریباً ۸۵ سال گزر چکے تھے، دعوتِ حق کی مساعی جمیلہ میں عمر کا بیشتر حصہ صرف کرنے کے بعد اب حضرت ابراہیم کو شدید احساس ہوا کہ ان کے بعد کارِ رسالت کو انجام دینے کے

لئے ایک فرزند صالح ناگزیر ہے جو ملت ابراہیمی کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دے۔

اللہ کے برگزیدہ پیغمبر نے بارگاہ قاضی الحاجات میں بڑی رقت و درد کے ساتھ دل کی تمنا کا اظہار کیا۔ قلب کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا قبول ہوئی۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ○ (صافات: ۱۰۱-۹۹)

اور کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر دے جو صالحین میں سے ہو، تو ہم نے اسے ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔

تورات میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"ابرام نے کہا اے خداوند مجھے کیا دیکھے گا۔ میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار الیغرا ہے۔ پھر ابرام نے کہا تو نے مجھے فرزند نہ دیا۔ اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہو گا۔ تب خداوند کا کلام اس پر اترا اور اس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہیں ہونے کا، بلکہ جو تیری صلب سے پیدا ہو وہی تیرا وارث ہو گا........ اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔"

(تورات پیدائش باب ۵ آیت ۴-۴)

رب کی بشارت پوری ہوئی اور حضرت ہاجرہ (دختر فرعونِ مصر) کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ۸۶ سال تھی، مگر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو تقاضائے بشری سے رشک ہوا اور انہوں نے حضرت خلیل سے عرض کیا: ہاجرہ اور اس کے بچے کو کسی دوسری جگہ آباد کریں۔ خود مشیت ایزدی کا تقاضا بھی یہی تھا۔

ان هاجره علیها السلام لما ولد لها اسماعیل علیه السلام اشتدت غیره ساره منها وطلبت من الخلیل ان

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ علیہا السلام کی غیرت شدت اختیار کر گئی اور آپ نے حضرت خلیل سے

یغیب وجهھا عنھا۔ مطالبہ کیا کہ وہ اس کے چہرے کو ان کی
(البدایہ والنہایہ ج۱ ص۱۵۴) نگاہوں سے اوجھل کر دے۔

شیر خوار بچے، بوڑھے باپ اور ماں، تین افراد پر مشتمل ایک مختصر قافلہ ارضِ فلسطین کے جنوب کے صحرائی اور کوہستانی راستہ پر گامزن ہے۔ سفر کی منزل دُور ہے، راستہ پُرپیچ، پُرخطر، خدا کا برگزیدہ رسول طمانیت، صبر و سکون کے ساتھ سنسان ریگزاروں، سنگلاخ وادیوں سے گزرتے ہوئے سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے خشک سربلند پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک خاموش زندگی کے آثار سے خالی وادی میں ٹھہر جاتے ہیں۔

زندگی کی ۸۶ ویں منزل ہے۔ اب تک ابتلاء و آزمائش کے سینکڑوں طوفان سر سے گزر چکے ہیں مگر عشق کے ہر امتحان میں اللہ کا خلیل ایک غیر متزلزل چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہا۔ یہ بھی ایک سخت امتحان تھا جب ہزاروں امید و آرزو کے بعد حاصل ہونے والے ثمرِ حیات کو جو بڑھاپے کا سہارا اور ملت ابراہیمی کا مبلغ بننے والا تھا، تنہا ماں کے ساتھ ایسی وادی غیرذی زرع میں ہے جس کا ہولناک سکوت، ہوش رُبا تپش سے پہاڑوں کے جگر پھٹ جائیں۔

مشیت ایزدی کا تابع خلیل دنیاوی علائق اور محبت کے رشتوں کو فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں یک لخت نظر انداز کر دیتا ہے اور زمین کعبہ کے قریب ایک درخت کے نیچے شیر خوار بچے اور اس کی نازک اندام ماں کو چھوڑ کر فلسطین کی جانب رُخ کرتا ہے۔

فلما ترکھما ھنک وولی ظھرہ عنھما قامت وقالت یا ابراھیم این تذھب وتدعا ھھنا ولیس معنا ما یکفینا فلم یجبھا فلما الحت علیہ وھولا یجیبھا قالت لہ اﷲ امرک بھذا؟ قال نعم!

جب ابراہیم نے اسمٰعیل اور ہاجرہ کو وادی غیرذی زرع میں چھوڑا اور ان سے پیٹھ پھیر کر فلسطین کا ارادہ کیا تو حضرت ہاجرہ ان کی طرف بڑھیں اور ان کے دامن سے لپٹ گئیں اور کہا اے ابراہیم! (علیہ السلام) آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اور ہمیں یہاں چھوڑے جا رہے ہیں جبکہ یہاں

قالت فاذا لا یضیعنا۔

(البدایہ والنہایہ ج ا ص ۱۵۴)

اتنے اسباب معیشت نہیں جو ہمارے لئے کافی ہو سکیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کا جواب نہ دیا پھر ہاجرہ نے اصرار کیا مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو ہاجرہ نے کہا کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟ جواب دیا ہاں! ہاجرہ بولیں تب پروردگار ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔

مشیت و ربوبیتِ الٰہی پر کامل وثوق و یقین کے بعد حضرت ہاجرہ فرزندِ ارجمند کے پاس آ گئیں۔ بعد کے واقعات پر بخاری شریف کی ایک طویل روایت سے اس طرح روشنی پڑتی ہے:

وادی غیرذی زرع اور قیامِ اسمٰعیل وہاجرہ

ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچے اسمٰعیل کو لے کر چلے اور جہاں کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام و نشان نہ تھا۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجوریں بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی چلیں: اے ابراہیم! تم ہم کو ایسی وادی میں چھوڑ کر چل دیئے جہاں آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس و غمخوار۔ ہاجرہ یہ کہتی جاتی تھیں مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جارہے تھے۔ آخر ہاجرہ نے پوچھا: کیا تیرے خدا نے تمہیں یہ حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہ نے کہا: اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا اور پھر واپس لوٹ آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام جب ایک ایسے ٹیلہ پر پہنچے جہاں سے ان کے اہل و عیال نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو موجودہ کعبہ کی جانب رُخ کر کے یہ

دعا مانگی:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ۝ (ابراہیم: ۳۷)

اے ہمارے پروردگار! میں نے ایک ایسی وادی میں جو ناقابلِ کاشت ہے، اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے تاکہ نماز قائم رکھیں، پس تُو اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر گزار ہوں۔

حضرت ہاجرہ چند روز تک کھجوریں کھاتی اور پانی پیتی رہی اور شیر خوار بچے کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن وہ وقت بھی آگیا کہ پانی اور کھجوریں ختم ہوگئیں۔ بھوک اور پیاس کے سبب دودھ اترنا بند ہوگیا، تب سخت پریشان ہوئیں۔ جب بچے کی حالت دگرگوں ہونے لگی تو بچہ کی حالت زار دیکھی نہ گئی اور وہ الگ جا بیٹھیں پھر اس خیال سے کہ کہیں کوئی انسان نظر آجائے یا پانی کا سراغ لگ جائے، صفا پر چڑھیں مگر کچھ نظر نہ آیا پھر دوڑ کر بچہ کے پاس پہنچیں پھر مروہ پر چڑھیں جب وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا تو تیزی کے ساتھ وادی میں بچہ کے پاس گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا جب وہ مروہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی، آواز کی جانب دھیان دیا تو معلوم ہوا کہ کوئی پکار رہا ہے۔ ہاجرہ نے کہا اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سن لی۔ دیکھا تو خدا کا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس کھڑا ہے۔ فرشتہ نے اپنا پَر اس جگہ مارا (جہاں آج بیر زمزم ہے) تو پانی ابلنے لگا۔ ہاجرہ نے بہتا پانی دیکھا تو مٹی سے باڑھ باندھنے لگیں۔ سرکار نے ارشاد فرمایا: اللہ امِ اسمٰعیل پر رحم فرمائے اگر وہ باڑھ نہ باندھتیں تو زمزم آج زبردست چشمہ ہوتا۔

ہاجرہ نے پانی پیا، بچہ کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے کہا خوف نہ کر خدا تجھ کو اور اس بچہ کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہ مقام بیت اللہ ہے، اس بچہ اور اس کے باپ ابراہیم (علیہما السلام) کی قسمت میں جس کی تعمیر مقدر ہو چکی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس خاندان کو

ہلاک نہ کرے گا۔ (کچھ دنوں بعد) بنی جُرہم کا قافلہ قریب سے گزرا۔ اس نے پانی کا چشمہ دیکھا تو اس کے قریب سکونت گزیں ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا: قیام کر سکتے ہو لیکن پانی میں ملکیت کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ بنی جُرہم نے شرط منظور کر لی اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ (بخاری، کتاب الانبیاء)

عشق و اخلاص اور قُربانی کا آخری امتحان

وہ خواب پیغمبرِ برحق کا خواب جادۂ زیست میں قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش سے دوچار رہنے والے داعیٔ حق کا خواب، دہکتے ہوئے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں میں استقامت و استقلال کے پیکر کا خواب، یہ خواب وہم و گمان کی پیداوار نہ تھا۔ ایک سچا خواب جس کے ذریعہ فرزندِ ارجمند، عصائے پیری، امورِ رشد و ہدایت کے وارث کو راہِ حق میں قربان کر دینے کا خدائی فرمان تھا۔

وہ خواب جس کی عملی تعبیر سے شجیع و بطیل انسانوں کے پتّے پانی ہو جائیں۔ خدا کا خلیل اپنے رب کے حضور لختِ جگر کی قربانی پیش کر کے خواب کو حقیقت کا رُوپ دینے کے لئے آمادہ:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔

پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا، کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں پس تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔

یہ آخری امتحان صرف ذاتِ ابراہیمی سے متعلق نہ تھا بلکہ باپ بیٹے دونوں کا مشترکہ امتحان تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر کی رائے دریافت فرمائی۔ کم سن اسمٰعیل جس کی بشارت "غلام حلیم" کے ساتھ دی گئی تھی اور وہ اس عظیم باپ کے بیٹے تھے جنہوں نے آلام و مصائب کی ہر منزل پر صبر و استقامت کے روشن مینارے قائم کر دیئے تھے۔ فرزندِ ارجمند نے اس سخت آزمائش کے لئے اپنی

ذات کو پیش کرنے میں دریغ نہ کیا اور جواب دیا:

یَآ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (صافات: ۱۰۲)

کہا اے میرے باپ! جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریئے انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

بیٹے کا جواب سن کر حکمِ الٰہی کی تکمیل کے لئے حضرت ابراہیم اسمٰعیل کو لے کر وادی منیٰ پہنچے۔ اس سخت آزمائش کے وقت نہ تو باپ کی محبت غالب آئی اور نہ بیٹے پر جان عزیز کی محبت غلبہ پا سکی۔ باپ قربان کرنے کے لئے اور بیٹا قربان ہونے کے لئے ہمہ تن تیار۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ○ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ○ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ○ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ (صافات: ۱۰۴-۱۱۰)

تو جب دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔ ہم نے ندا دی اے ابراہیم! تُو نے خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے۔ اور بدل دیا ہم نے اس کو ایک بڑے ذبح (مینڈھے) کے ساتھ اور ہم نے آئندہ نسلوں میں اسے باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو، ہم اس طرح نیکوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

واقعہ ذبح عظیم سے متعلق روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقت ذبح اپنی آنکھوں پر دبیز پٹی باندھ لی تھی تاکہ وقت ذبح کہیں شفقت پدری ہاتھوں کو چھری چلانے سے روک نہ دے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی دانست میں حلقوم پسر پر چھری پھیر چکے تو ندائے غیبی سن کر پٹی کھولی۔ دیکھا تو اسمٰعیل علیہ السلام کھڑے ہو کر مسکرا رہے ہیں اور پیچھے جھاڑی میں ایک دنبہ (مینڈھا) کھڑا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے پکڑا اور بیٹے کی جگہ اسے ذبح کر دیا۔

علامہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر اور تاریخ دونوں میں اس مقام پر متعدد روایات نقل کی ہیں۔ جن میں بعض طویل اور بعض مختصر ہیں۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے:

قال الكبش الذي ذبحه ابراهيم هو الكبش الذي قربه ابن آدم فتقبل منه ؕ (تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۵۵)

کہا وہ مینڈھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا وہی تھا جس کو فرزند آدم علیہ السلام (ہابیل) نے قربانی کے لئے پیش کیا تھا تو اسے شرف قبولیت سے نوازا گیا۔

ایک برگزیدہ نبی کی جان کا فدیہ کبش کیسے ہو سکتا ہے۔ علمائے اسلام اس امر میں مختلف ہیں جس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جانِ اسمٰعیل علیہ السلام کا فی الفور فدیہ تو کبش جنت کی قربانی تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ الٰہی کی تعمیل کے لئے ذبح کیا اور اللہ نے اسے ایک بے نظیر قربانی کی ادائیگی کا وسیلہ بنایا اور اس سُنّت کو قیامت تک جاری رکھنے کے لئے امتِ مسلمہ پر ہر سال اسی تاریخ میں لازمی شعار کی حیثیت سے واجب قرار دیا تاکہ ایثار و قربانی خلیل و ذبیح کی یاد تازہ ہو۔

عن زيد بن ارقم قال قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله ما هذه الاضاحى قال سنة ابيكم ابراهيم۔

حضرت زید ابن ارقم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت ہے۔

بیت اللہ کی تعمیر

قوم را ربط و نظام از مرکزے روزگارش را دوام از مرکزے
رازدارد راز ما بیت الحرام سوز ما ہم ساز ما بیت الحرام

صفحۂ ہستی پر مرکز ہدایت بیت اللہ کی تعمیر کا مقدس فریضہ حضرت خلیل و حضرت ذبیح علیہما السلام کو سونپا گیا جنہوں نے امتحان و ابتلاء کی جاں گسل شدید گھڑیوں میں ثابت قدمی صبرو استقلال کا مظاہرہ کر کے دنیا کے سامنے رضائے الٰہی کے لیے ایثار و اخلاص اور تسلیم و رضا کی زریں شہادت پیش کر دی تھی۔ باپ بیٹے مرکز توحید کی تعمیر و تاسیس میں منہمک ہو گئے۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز پڑھی اور طواف کیا۔ پھر طوفانِ نوح آیا۔ وہ طوفان کیا تھا غضبِ الٰہی تھا۔ جہاں یہ طوفان پہنچا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ختم ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اس کی بنیادوں کو بلند کیا۔ (تاریخ حرمین ص ۵۶)

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ تعمیرِ کعبہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آرمینیا میں ملا تھا۔ وہ مکہ تشریف لائے جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام موجود تھے۔ ان کی عمر ۲۰ سال ہو چکی تھی، ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا رحلت فرما چکی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے اسمٰعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا گھر بناؤں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پوچھا کس مقام پر؟ فرشتہ نے مقام کعبہ کی جانب اشارہ کیا۔ عزمِ راسخ، سعی پیہم کے پیکر باپ اور بیٹے نے بنیادیں کھودنی شروع کر دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائے آدم علیہ السلام پر بنیاد کھودی اور اس پر خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا۔ (تاریخ حرمین ص ۶۶)

قرآن حکیم میں آدم علیہ السلام کی تعمیرِ کعبہ کا ذکر موجود نہیں، جبکہ تعمیرِ ابراہیمی کا

ذکر پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۹۷-۹۶)

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم کا مقام عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا، مامون ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

دونوں باپ بیٹے خانہ کعبہ کی تعمیر میں اس طرح منہمک ہوئے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے کاندھوں پر پتھر اٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے۔ جب دیواریں اتنی اونچی ہو گئیں کہ زمین سے تعمیر ناممکن ہو گئی تو اللہ کے خلیل علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر دیواریں چننی شروع کیں۔ وہ مبارک پتھر آج بھی موجود ہے۔ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ اس پتھر کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس حکمِ خداوندی سے لگایا جا سکتا ہے: واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی۔ (بقرہ) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حجر اسود کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو حکم دیا کہ ایک ایسا پتھر تلاش کرو جو لوگوں کے طواف کا نشان بن جائے اور جہاں سے طوافِ کعبہ کا آغاز کیا جائے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایسے نمایاں پتھر کی تلاش کرتے رہے، مگر نہ ملا۔ جب ناکام واپس آئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک پتھر لا چکے تھے جو رکن اسود پر نصب کیا گیا۔ تاریخ حرمین

کے مصنف نے لکھا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں زمین کو غرق کیا تو یہ پتھر جبل ابو قبیس کے سپرد کیا گیا اور اسے حکم دیا کہ جب میرا خلیل میرے گھر کی تعمیر کرے تو اس پتھر کو باہر نکال دو۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام واپس آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حجر اسود دیکھ کر پوچھا: اباجان! یہ کہاں سے ملا۔ جواب دیا، وہ لایا ہے جس نے مجھے تیرے پتھر پر بھروسہ سے بے نیاز کر دیا۔ اسے حضرت جبریل علیہ السلام لائے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے پتھر اس کی جگہ پر رکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کے کام کو مکمل کر دیا۔ حجر اسود اس وقت اتنا سفید تھا کہ چمک رہا تھا۔ اس کی روشنی مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پہنچی۔ اس کے سیاہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام میں کئی دفعہ آگ کی لپیٹ میں آیا۔ اگر حجر اسود دورِ جاہلیت کی نجاسات سے ملوث نہ ہوتا تو جب مصیبت زدہ اسے چھوتا، اس کی مصیبت دُور ہو جاتی۔"

(بحوالہ تاریخ حرمین ص ۶۸ و تفسیر ابن کثیر سورۂ بقرہ ص ۱۸۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ پر چھت نہیں ڈالی تھی اور نہ پتھروں کو گارے یا چونے سے جمایا تھا بلکہ صرف پتھر چن دیئے تھے۔ جب حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے، ان کی زبان پر یہ دعا تھی:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ	اور جب ابراہیم خانہ کعبہ کی بنیاد چن رہا تھا اور اسمٰعیل بھی اس کے ساتھ شریک تھا اور زبان پر یہ دعا تھی اے پروردگار ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو، بلاشبہ تو ہی دعاؤں کا سننے والا اور جاننے والا ہے، اے پروردگار! ہمیں ایسی توفیق دے کہ ہم مسلم ہو جائیں اور ہماری نسل

الرَّحِيْمُ ○ (البقرہ: ۱۲۸-۱۲۷)

میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیرے حکم کی فرماں بردار ہو۔ خدایا ہماری عبادت کے طریقے ہمیں بتا دے اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر کر بلاشبہ تو ہی درگزر کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اسی مبارک و مسعود گھڑی میں اللہ کے خلیل نے مرکز توحید کی تطہیر اور اُمت مسلمہ کے تزکیہ باطن کے لیے اپنی ذریت سے ایک برگزیدہ رسول کی دعا فرمائی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرہ: ۱۲۹)

اے پروردگار! تو ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما، جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ باطن کرے، بے شک تُو ہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔

تعمیرِ کعبہ کے بعد پروردگارِ عالم کا حکم ہوا:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ (البقرہ: ۱۲۵)

اور جب ہم نے اس (کعبہ) کو انسانوں کی گرد آوری کا مرکز اور امن و حرمت کا مقام ٹھہرایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ نماز کی جگہ بنائی جائے اور ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کو حکم دیا تھا کہ ہمارے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے، طواف کرنے والوں کے لیے اور ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○

اور حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دُور دراز راہوں سے آیا کریں گے پاپیادہ اور ہر

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (الحج: ۲۸-۲۷)

طرح کی سواریوں پر جو (مشقت سفر سے) تھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اس لیے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ہو جائیں اور ہم نے جو پالتو جانور ان کے لیے مہیا کر دیے ہیں، ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل، مصر اور فلسطین کے متمدن خطوں پر غلغلہ حق بلند کرنا چاہا مگر ان علاقوں کی بدنصیبی کہ انہوں نے اللہ کے خلیل کی آوازِ صداقت پر لبیک نہ کہی، پھر حکمِ خداوندی سے حجاز کی اس سرزمین پر جسے متمدن دنیا کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ جہاں بظاہر انسانوں کی بود و باش کے امکانات بھی نہ تھے۔ مرکزِ ہدایت کی تعمیر ہوئی اور تاریخِ عالم گواہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر آج تک یہ مقدس گھر اہلِ ایمان کا قبلہ ہے اور ہر دور میں حج و طواف کے مناسک انجام دیے جاتے ہیں۔

عالمگیر تاریکی اور بعثت ختم الرسل

شہر مکہ سے کچھ فاصلہ پر مشرکین کا ایک سالانہ میلہ جو بظاہر ایک مشرکانہ مذہبی رسم کی انجام وہی کا دن، مگر فی الحقیقت شرک و کفر کے ساتھ عیش و نشاط کے خرافاتی اظہارِ مسرت کا موقع تھا۔ لوگ نشہ مے میں متوالے دادِ عیش دے رہے تھے اور اسی راگ و رنگ کے ماحول میں لوگ ایک بت کے روبرو عقیدت و ارادت کی نذریں پیش کر رہے تھے، کچھ افراد بے حس بت کے روبرو سر جھکائے آنکھیں بند کیے مودب بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض اشخاص فرط عقیدت سے سرشار طواف کر رہے تھے۔ بُت کے نام پر

قربانیاں پیش کی جا رہی تھیں۔ حصولِ مقاصد کے لیے نذریں مانی جا رہی تھیں۔ اوثان پرستی کی صدہا سال پرانی روایات بڑے کرّوفر اور جوش و ارادت کے ساتھ انجام دی جا رہی تھیں۔ کورانہ تقلید اور آباء پرستی کی ملعون روایت نے لوگوں سے نورِ بصیرت چھین لیا تھا۔ حق و باطل کی تمیز ناممکن ہو گئی تھی۔ کفرو شرک اور عیش و طرب سے معمور اس میلے میں چار ایسے ذی شعور، روشن دماغ، بیدار مغز افراد بھی شریک تھے جو بتوں کی پرستش کو دینِ حنیف کے علی الرغم لغو اور بے معنی عمل تصوّر کرتے تھے۔ ان کی مضطرب روحیں کسی چشمۂ ہدایت کی جستجو میں تھیں، جس سے ان کی روحانی پیاس بجھ سکے اور وہ دینِ حنیف کی صالح بنیادوں کو پالیں۔ یہ قریش کے جویائے حق افراد ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید بن عمرو تھے۔ یہ چاروں ہنگاموں سے دور ایک گوشہ میں بیٹھے محوِ گفتگو تھے۔ انہوں نے کہا:

"سچائی کا وعدہ کرو اور اپنے آپس کے معاملے کو ایک دوسرے سے چھپاؤ۔ سب نے اقرار کیا اور پھر کہا: علم و یقین کی دولت حاصل کرو۔ خدا کی قسم! تمہاری قوم کسی صحیح راستہ پر گامزن نہیں۔ وہ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو فراموش کر چکے ہیں۔ یہ پتھر (بُت) کی حقیقت ہی کیا ہے جس پر نجاست ڈالی جاتی ہے۔ نہ وہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ نفع و ضرر کا اختیار رکھتا ہے۔ لوگو! اپنے لیے کوئی دین تلاش کرو۔ خدا کی قسم! تم صحیح طریقہ پر نہیں۔ ملکوں میں طریقہ حنیفیہ (دین ابراہیمی) کی تلاش میں پھیل جاؤ۔" (ابن ہشام ج ۱ص ۲۴۷)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد عرصہ دراز تک ملت ابراہیمی کی پیروکار رہی، مگر امتدادِ زمانہ اور دیگر اقوام و ملل کے اختلاط نے دینِ حق سے برگشتہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن لحی نامی سردار قریش اپنے ایک تجارتی سفر میں شام کے علاقہ بلقا میں مآب نامی ایک شہر میں پہنچا جو عمالیق کی بستی تھی۔ جہاں بتوں کی پرستش کا عام رواج تھا۔ عمرو نے دریافت کیا یہ بت کیا ہیں، جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم ان بتوں کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ جب ہم ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو یہ ہمیں

بارش سے مستفید کرتے ہیں اور جب ہم مدد چاہتے ہیں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ عمرو بن لحی نے کہا ان بتوں میں سے کوئی بت تم مجھے بھی دو تاکہ میں اسے سرزمین عرب لے جاؤں اور وہاں کے لوگ بھی اس کی پوجا کریں۔ انہوں نے عمرو کو ایک ہبل نامی بت دیا۔ عمرو مکہ آیا اور ہبل کو ایک مقام پر نصب کر کے اس کی پرستش شروع کر دی۔ شیطان نے مشرکانہ افعال کو اتنی زینت دی کہ پورا عرب اوثان پرستی کی بدترین لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ مرکز توحید کعبہ کو بھی بتوں سے آلودہ کر دیا گیا:

رایت عمرو بن لحی یجر قصبہ فی النار فسالتہ عمن بینی وبینہ من الناس فقال قد ھلکوا۔

میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ آنتیں آگ میں گھسیٹے جا رہا ہے۔ میں نے اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جو میرے اور اس کے درمیان گزرے ہیں تو اس نے کہا وہ ہلاک ہو گئے۔

انہ کان اول من غیر دین اسمعیل فنصب الاوثان وبحر البحیرہ وسبب السائبہ و وصل الوصیلہ وحمی الحمی۔ (ابن ہشام ج ا ص ۱۰۸)

بے شک وہ پہلا شخص تھا جس نے دین اسمٰعیل کو بدل دیا اور مورتیاں نصب کیں، پھر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کے طریقے رائج کئے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد صدیوں تک خدا کے پاکیزہ گھر کی عظمت بادۂ توحید کے متوالوں کا ایمان بنی رہی۔ دنیائے عرب مرکز ہدایت کے گرد جمع ہوتی اور اپنی رُوحانی آسودگی حاصل کرتی رہی۔۔۔ صدیوں کے امتداد نے انہیں دینِ ابراہیمی سے دُور کر دیا اور پھر وہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت و بندگی سے منحرف ہو کر مظاہر پرستی کی طرف مائل ہوئے، عمرو بن لحی کی تحریک بت پرستی نے پورے عرب کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ حتیٰ کہ بیت اللہ جو اہلِ توحید کا مرکز اور خدائے واحد کے پرستاروں کا قبلہ تھا۔ معبودانِ باطل کے مجسموں سے آلودہ کر دیا گیا۔ بت پرستی کے ساتھ مذہبی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی سطح پر فکر و عمل کا ایسا شدید بحران پیدا ہو گیا کہ زندگی کا کوئی شعبہ

اس زد سے محفوظ نہ رہ سکا۔

تاریخ عالم کے پردے پر آج سے چودہ سو برس پہلے کا منظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ کتنا پُر آشوب، فتنہ انگیز زمانہ تھا۔ انسانی اقدار مٹ چکی تھیں۔ انسانیت کا احترام رخصت ہو چکا تھا۔ شرافت و نجابت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وہ تاریک دور جب لاکھوں انسان غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور انہیں فطری حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا تھا، وہ روح فرسا دور جب صنف نازک کو فرضی شرافت کا بدنما داغ تصور کیا جاتا تھا اور بچیوں کو زندہ درگور کر دینے والے معصیت شعار درندے سماج کے معزز فرد تصور کئے جاتے تھے۔

وہ کتنا بھیانک، تاریک اور کتنا انسانیت سوز دور تھا۔ جب ضلالت و گمراہی اور ظلم و جبر کے تیز و تُند طوفان نے تمام اخلاقی و روحانی قدروں کو پامال کر دیا تھا۔ مسیحی تعلیمات دم توڑ چکی تھیں۔ وہ کیسا پُر آشوب دور تھا جب عالمگیر تاریکی چھائی ہوئی تھی جس میں ذہن و دماغ، فکر و شعور، حق و صداقت کی ہلکی سی لکیر بھی نظر نہ آتی تھی۔ تسخیر عالم کی قوت رکھنے والا انسان اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش اور چند موہوم رسم و رواج کے طلسم میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ انسان کفر و شرک کی تاریک وادیوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا اور ستم یہ کہ سنگِ راہ کو اس نے منزل مقصود سمجھ لیا تھا۔

جب ماحول کی تاریکی حد سے بڑھ گئی تو وہ صبح درخشاں نمودار ہوئی جس کی آغوش سے آفتابِ رسالت و نبوت طلوع ہوا۔

سرزمین مکہ کے ایک معزز خاندان قریش میں خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہوا۔ یہ درِ یتیم شکم مادر ہی میں باپ کے سایہ سے محروم ہو گیا۔ شیر خوارگی اور نشوونما کے دن دائی حلیمہ کی آغوش میں رہ کر دیہات کی حیات بخش کھلی فضا میں گزارے۔ چھ سال کی عمر میں ماں کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔ دادا نے پرورش و پرداخت کا ذمہ لیا تو قضائے الٰہی نے انہیں بھی آغوشِ رحمت میں پہنچا دیا۔ ایک چچا کا سہارا تھا اور سرزمینِ مکّہ کا کفرو شرک، بد عملی و نجاست سے آلودہ ماحول مگر جس درِ یتیم کو مشیت ایزدی اپنی آغوشِ رحمت میں پروان چڑھائے، بھلا اسے ماحولیاتی آلودگی کس طرح چھو

سکتی ہے۔

خلعت رسالت اور دعوتِ حق و صداقت

۴۰ سال کی عمر ہوئی تو غار حرا میں پہلی وحی اقرء باسمک۔۔۔ الخ سے سرفراز ہوئے اور ایک نسخۂ کیمیا لے کر بیمار قوم کی طرف آئے۔ ابتداء میں دعوت حق خفیہ طریقے سے دی جاتی رہی مگر کچھ عرصہ بعد ذاتِ رسالت سے قُرب رکھنے والوں میں تبلیغ حق کا حکم ہوا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ○ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ○ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (الشعراء: ۲۲۰-۲۱۴)

اے پیغمبر! اپنے قریبی رشتہ داروں کو گمراہی سے ڈرا اور جو مسلمان تیرے پیروکار ہیں ان کے لیے اپنے بازوؤں کو پست رکھ یعنی نرمی اور تواضع سے پیش آ۔ اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو، تو ان سے کہہ دے میں تمہارے اعمالِ بد سے بری ہوں اور غالب رحم کرنے والی ذات پر بھروسہ کر جو تجھے اس وقت بھی دیکھتی تھی جب تو اس کی بارگاہ میں کھڑا ہوا اور اس وقت بھی جب تو سجدہ کرنے والوں میں مل کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

فاران کی چوٹی ہے، مکہ کے شریف و معزز خاندان کا پاکیزہ خصلت، صادق و امین فرد محمد بن عبداللہ گرد و نواح کی گھاٹیوں میں بسنے والے قبیلہ قریش کو آواز دے رہا ہے۔

یاصباحا یاصباحا۔ روایت کے مطابق لوگ مجتمع ہوگئے اور بنوہاشم کے

دریتیم کی جانب متوجہ ہوئے جسے خلعت نبوت و رسالت سے سرفراز کیا جا چکا ہے۔ اعلانیہ دعوتِ حق کا حکمِ الٰہی نازل ہوا: فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین○ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قوت استقلال کو مجتمع کرتے ہوئے مشرکین سے خطاب فرمایا:

"اے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک لشکر جرار جمع ہے اور تم پر حملے کے لیے آمادہ ہے تو کیا تم مجھ کو صادق سمجھو گے۔ او مصدقی؟ لوگوں نے کہا ہم نے تجھ کو الصادق الامین پایا ہے، تو جو کچھ کہے گا حق اور صداقت پر مبنی ہو گا۔ تب آپ نے فرمایا لوگو! میں تم کو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں اور اصنام پرستی کی نجاست سے بچاتا ہوں۔ تم اس دن سے ڈرو جب خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال و کردار کا حساب دینا ہو گا۔" (تاریخ ابن کثیر ج ا ص ۳۸)

صدیوں سے بُت پرستی اور آباء پرستی میں گرفتار قوم نے جب اپنے خاندان کے ایک پاکیزہ خصلت، بلند کردار فرد سے شرک و بت پرستی کے خلاف توحید و حق پرستی کی بلند آواز سنی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ ان کے دلوں کی حرکت تیز ہو گئی، مگر صادق و امین ہادی کے خلاف کچھ نہ کہہ سکے۔ ہاں! آپ کے حقیقی چچا ابولہب نے غیظ و غضب میں ڈوب کر کہا:

تبالک سائر الیوم اما دعوتنا الا بھذا۔ | تو ہمیشہ ہلاکت و رسوائی کا منہ دیکھے کیا تو نے ہمیں اسی لیے بلایا تھا۔

قبیلہ قریش کے افراد جو کل تک محمد بن عبداللہ کی شرافت، بلند اخلاق، صداقت و امانت پر ناز کرتے تھے، پیغامِ حق سنتے ہی ان کی نگاہیں بدل گئیں اور وہ اپنے قبیلہ کے جس باعظمت نوجوان کے تقدس اور سچائی کے قائل تھے، اس کے پیغامِ صداقت کے قبول کرنے سے باز رہے۔ صرف چند اشخاص نے پیغامِ حق و صداقت پر لبیک کہی اور پورا قبیلہ برگشتہ و منحرف ہو گیا۔ یہ امتحان کی پہلی منزل تھی لیکن اللہ کا آخری نبی دین کامل لے کر آیا تھا۔ حکم ہوتا ہے پیغامِ حق و صداقت کا دائرہ وسیع کر دو اور مکّہ اور

اطرافِ مکّہ کے باشندوں کو رُشد و ہدایت کا پیغام سناؤ تاکہ حق و صداقت کی متلاشی رُوحیں چشمۂ ہدایت سے سیراب ہو سکیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ (الانعام: ۹۲)

اور یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا، برکت والی تصدیق کرنے والی ہے سابقہ نازل شدہ کتابوں کی۔ اور اس لیے نازل کی تاکہ تم ام القریٰ کے باشندوں کو اور ان کو جو چاروں طرف ہیں ڈراؤ۔

رسولِ ہاشمی پیغامِ حق مکہ کے عام باشندوں اور اطراف و اکنافِ مکّہ میں بسنے والے قبائل تک پہنچاتے ہیں، مگر صدیوں کا بگڑا ہوا سماج کفر و شرک کی موروثی خو رکھنے والے لوگ خدا کی سرمدی پیغام پر لبیک کیا کہتے، اس کے علی الرغم محاذ آرائیاں کرنے لگے اور دعوتِ حق کی تحریک کو روکنے کی سعی مسلسل میں مصروف ہو گئے۔ رسول اور متبعین رسول کا مذاق اُڑایا گیا، انہیں ایذائیں دی گئیں۔ ڈرایا دھمکایا گیا۔ اللہ کے برگزیدہ رسول کو ساحر و مجنون کہا گیا، مگر داعی حق اشاعت دین کی راہ میں ثابت قدم رہا اور شرک و بُت پرستی کی مذموم روایات کے خلاف توحید کا برملا اعلان کرتا رہا۔ کفارِ مکّہ کی انسدادی کوششوں کے باوجود آہستہ آہستہ اہلِ حق کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ قریش یا عمائدینِ مکہ حق و صداقت کی جس آواز کو نحیف، اور رشد و ہدایت کی جس روشنی کو کمزور سمجھ رہے تھے، ان کا اندازہ تھا کہ یہ آواز کفر و شرک کے معمولی شور میں دب جائے گی اور خوف و طمع کے گرد و غبار میں یہ روشنی روپوش ہو جائے گی، مگر مخالفتوں کے باوجود آواز بلند ہوتی رہی، روشنی تیز ہوتی گئی تو انہیں خوف لاحق ہوا کہ دینِ برحق کی یہ تحریک اگر زور پکڑ گئی تو پھر ہمارے صدیوں پرانے لایعنی دین کا طلسم ٹوٹ جائے گا، چنانچہ ان کی مخالفت کی واحد وجہ یہ تھی کہ وہ جاہلیت کے فاسد نظام کا تحفظ کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس جاہلی نظام کی مدد سے قریش نے دنیائے عرب میں سالہا سال سے اپنے لیے ایک بلند مقامِ قیادت حاصل کر لیا تھا۔ تمام سیاسی و مذہبی مناصب ان کے ہاتھ میں تھے۔ اقتصادی و تمدنی لحاظ سے ان کی سیادت کا سکہ جاری تھا اور ان کی یہ

قیادت و سربراہی اسی سماجی و مذہبی سانچے میں استوار رہ سکتی تھی جو جاہلانہ نظامِ حیات اور باطل پرست دھرم نے تیار کر رکھا تھا۔

قوم ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنی جاہلیت اور لایعنی توہم پرستی و شرک کے تارِ عنکبوت کی حفاظت و صیانت پر ہی قریشی سربراہی و سیادت کی بقا منحصر تھی۔

قریش کے سربر آوردہ افراد اسود بن مطلب، ابوجہل ابن ہشام، ولید بن مغیرہ، عاص ابن وائل، سعید بن سہم وغیرہ جناب ابوطالب کی خدمت میں آئے۔ پرُ غضب، طیش آمیز لہجہ میں ابوطالب سے مخاطب ہوئے:

"اے ابوطالب! یا تو تم اپنے بھتیجے یعنی حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم) کو منع کر دو کہ وہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہے اور ہمارے باپ دادا کو جاہل اور گمراہ نہ بتائے ورنہ ہم کو اجازت دو کہ ہم خود اس سے سمجھ لیں۔"

(ابن ہشام ص ۸۶)

جب قریش کے وفد نے کئی بار اس قسم کی باتیں ابوطالب سے کیں۔ تو ابوطالب نے حضور علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا:

"اے میرے بھتیجے! تمہاری قوم نے میرے پاس آکر تمہاری شکایتوں کا دفتر کھولا۔ پس میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اپنی اور میری جان کے ہلاک کرنے کی بات نہ کرو اور ایسے کام کی مجھ کو تکلیف نہ دو جس کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔" (ابن ہشام ص ۸۶)

ابوطالب کے اس پیغام کا صاف مطلب یہ تھا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) تم اپنی دعوتِ حق سے باز آجاؤ ورنہ میں تمہاری پشت پناہی کرنے سے معذور ہوں۔ چچا کے ارادۂ برأت سے داعی حق کے قدموں میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ آپ نے ابوطالب سے کہا:

"اے میرے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں طرف سورج اور بائیں طرف چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی میں اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں تک کہ خدا اس کو پورا کر دے یا خود میں اس میں ہلاک ہو جاؤں، پھر حضور

علیہ السلام کے آنسو نکل آئے اور رونے لگے۔ ابو طالب نے کہا دیکھو! جو تمہارا جی چاہے کرو، میں تم کو ہرگز نہ چھوڑوں گا اور سب سے سمجھ لوں گا۔"

(ابن ہشام ص ۸۶)

ابو طالب کے آمادۂ حمایت و نصرت ہونے کے بعد بنو ہاشم نے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی اعانت کا فیصلہ کر لیا۔ عمائدین قریش نے بنو ہاشم اور خصوصاً ابو طالب کے اس طرز عمل سے اپنی سفارتی کوششوں کی ناکامی محسوس کر لی اور انہوں نے پیروانِ اسلام پر ظلم و تشدد کا وطیرہ اختیار کر لیا۔ مسلمانوں کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ آزمائش کی بھٹیوں میں تپایا گیا تاکہ وہ راہِ حق سے برگشتہ ہو جائیں، مگر کلمۂ حق سے لذت آشنا ہونے والوں کو جبر و ظلم کی تلخی کفر و شرک کی طرف نہ لوٹا سکی اور وہ ہر ظلم و ستم سہہ کر بھی منہاجِ حق و صداقت پر گامزن رہے۔

محصوری شعب ابی طالب

اعلانِ نبوت کے ساتویں سال قریش کے نمائندہ افراد جمع ہیں۔ ان کے چہرے غصہ و انتقام کے ملے جلے جذبات ظاہر کر رہے ہیں، اضطراب و پریشانی اسلام کے خلاف مہم میں ناکامی کا پتا دے رہی ہے۔ دعوتِ حق کو دبانے کی ہر کوشش و تدبیر منفی رد عمل ظاہر کر رہی ہے۔ اسلام کا دائرہ کامل انسدادی جدوجہد کے باوجود وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمانوں پر مصائب و آلام کی یورش انہیں راہِ حق سے منحرف نہیں کرتی۔ ابو طالب کی حمایت نے بنی ہاشم کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے حق میں نرم دل بنا دیا ہے۔ مہاجرین حبشہ کے خلاف قریش کی سفارت ناکام ہو چکی ہے۔ نجاشی بادشاہِ حبش اسلام اور مسلمانوں کا معاون بن چکا ہے۔ قریش اور عمائدین مکہ کے لیے یہ حالات کسی موثر طریقہ کار کی دعوت دے رہے تھے جس سے پیغمبر اسلام اور ان کے حامیوں کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ اسلام کی روز افزوں تحریک کو روک دیں۔

"غور و فکر کے بعد ایک معاہدہ مرتب کیا گیا جسے منصور بن عکرمہ نے

چمڑے پر تحریر کیا۔ بنی ہاشم و بنی مطلب سے مناکحت نہ کی جائے، نہ ان سے خرید و فروخت کی جائے۔" (ابن ہشام ص ۱۱۹)

طے کیا گیا کہ یہ معاہدہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں گے۔ عہد نامہ کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا گیا۔ پورے بنی ہاشم شہر کی تمدنی زندگی سے علیحدہ ہو کر شعب ابی طالب میں محصوری و تنگ حالی کی زندگی پر آمادہ ہو گئے۔ پورے قبیلہ کے لیے آلام و مصائب کا صبر آزما دور شروع ہوا۔ فقر و فاقہ کی شدید تکلیفیں بنی ہاشم نے استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ جھیلیں۔ درختوں کے پتوں پر گزر اوقات کیے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

"ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ اسی کو پانی سے دھویا، آگ پر بھونا، اور پانی میں ملا کر کھایا۔"

بچے بھوک سے روتے تو گھاٹی سے باہر ان کی دردناک آواز آتی، مگر سنگدل قریش اسے سن کر کرب کے بجائے خوش ہوتے۔ عمائدین مکہ کا خیال تھا کہ ہماری یہ اسکیم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور مسلمانوں کو گھٹنے ٹیکنے اور اپنی دعوت سے باز رکھنے میں موثر ثابت ہو گی، مگر اپنی تدبیر کے منفی نتائج نے انہیں مزید تشویش میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ قبیلہ قریش کے اشراف آپ کے پاس آئے اور کہا، ہم تم کو اس قدر مال دیتے ہیں جس سے تمام مکہ میں سب سے بڑے دولت مند ہو جاؤ گے اور تم جس عورت سے چاہو، تمہاری شادی کر دی جائے اور مکہ کی ریاست تمہارے حوالہ کر دی جائے، مگر اس شرط پر کہ تم ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو۔ اگر تم اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو ہم تمہارے سامنے ایسی صورت پیش کرتے ہیں جس میں ہمارا تمہارا دونوں کا نفع ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک سال تم ہمارے دیوتا لات و عزیٰ کی پرستش کرو اور ایک سال ہم تمہارے خدا کی پرستش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔ میں اپنے رب کے حکم کا منتظر ہوں، پھر جواب دوں گا۔ اس موقع پر یہ سورہ لوحِ محفوظ سے نازل ہوئی:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

(سورۃ الکافرون)

اے نبی! آپ فرمادیجئے اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا، جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں، جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون ۝

فرمادو! اے جاہلو کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۱)

باطل پرست کفار و مشرکین نے دعوتِ حق و صداقت کو متاعِ تجارت سمجھ لیا تھا۔ ابتلاء و آزمائش کی سخت گھڑیوں میں داعیٔ حق کا سودا کرنے آئے تھے۔ بتوں کی تجارت کرنے والوں نے پیغامِ حق کا سودا کرنا چاہا، مگر اس کوشش کی ناکامی نے ان کے جذبات کو سرد کر دیا۔

مشیت ایزدی سے مشرکین مکہ کے درمیان عہد نامہ انقطاع کے باب میں شدید اختلاف رونما ہوا اور مطعم بن عدی نے معاہدہ کو چاک کرنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ دیمک پوری تحریر چاٹ گئی اور فقط تحریر کی ابتداء اللھم باسمک باقی ہے۔

(تاریخ طبری ج ۲، ص ۱۰۷)

اس طرح تقریباً تین سال کے سخت آزمائشی دور کا خاتمہ ہوگیا۔

تبلیغ حق کی مہم آزادانہ شروع ہوئی، مکہ اور اطرافِ مکہ کے علاوہ دُور دراز علاقوں تک آفتابِ رسالت کی شعاعیں پہنچنے لگیں۔ دوسری جانب کفارِ مکہ کی انسدادی کوششوں میں اضافہ ہوا۔ متبعین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ظلم و تشدد

کی سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ فرزندانِ توحید کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

طائف

دو مسافر مکّہ سے طائف کی سرسبز و شاداب زمین کی جانب سنگلاخ پُرپیچ مراحل کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ مسافر خدا کے برگزیدہ رسول انسانِ کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ طائف کا یہ سفر دعوتِ حق کے دائرۂ تبلیغ کی وسعت اور وہاں کے معزز صاحبِ ثروت امراء کو دائرۂ اسلام میں داخل کر کے تحریک اسلامی کو مستحکم بنانے کے لیے کیا گیا۔

پیغمبرِ اعظم بنو ثقیف کے تین ذی اثر سرداروں کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ تینوں امیر عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے بیٹے عبدیالیل، مسعود، حبیب تھے۔ جب ہادی برحق نے انہیں توحید و رسالت کی دعوت دی تو دنیاوی عزت و امارت کے غرور نے انہیں قبول حق و صداقت سے باز رکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا --- اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں کعبہ اللہ کا غلاف ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ دوسرے نے کہا --- رسول بنا کر بھیجنے کے لیے کیا اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور نہ ملا؟ تیسرے نے کہا --- خدا کی قسم میں تم سے کبھی گفتگو نہ کروں گا۔ اگر تو فی الحقیقت اللہ کا رسول ہے جیسا کہ تو کہتا ہے تو، تو اس لحاظ سے بڑا خطرناک شخص ہے۔ کیونکہ تجھ سے بات کرنے اور تیرا جواب دینے میں خطرہ ہے۔ اگر تو اللہ پر افترا کر رہا ہے تو بھی مجھے لازم ہے کہ تجھ سے بات نہ کروں۔ (ابن ہشام ج ا ص ۴۶۸)

داعی برحق ان تینوں کے قبولِ حق سے مایوس ہوئے تو ان سے کہا:

اذ فعلتم فاکتموا عنی۔ تم نے جو کچھ کیا، کیا مگر جو کچھ مجھ سے سنا ہے، اسے راز میں رکھو۔

لیکن ان تینوں شرپسند امیروں نے طائف کے اوباش لوگوں کو اللہ کے برگزیدہ رسول کے خلاف مشتعل کر دیا اور جب آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بازار

طائف میں عوام کے رُوبرو رُشد کی تبلیغ کا آغاز فرمایا تو ہر چار طرف سے طعن و تشنیع اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ سنگ و خشت کی ضرب سے جسم مبارک لہولہان ہو گیا۔ طوفان بدتمیزی کے غوغا میں حق و صداقت کی آواز دب کر رہ گئی۔ اہلِ طائف کے نازیبا رویہ سے آپ شکستہ خاطر ہو کر مکّہ کے لیے روانہ ہوئے تو طائف کے اوباشوں نے میلوں تک جسمِ اطہر پر سنگ باری کا عمل جاری رکھا۔ سرکار زخموں سے نڈھال، خون میں تربتر فرزندانِ ربیعہ، عتبہ و شیبہ کے باغ میں استراحت کے لیے ٹھہر گئے، پھر رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی زبان مبارک سے یہ دعائیہ کلمات نکلے۔

اللھم اشکو الیک ضعف قوتی وقلہ حیلتی وھوانی . علی الناس یاارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امرالدنیا والاخرہ من ان تنزل بی غضبک اوتجل علی سخطک لک العقبی حتی ترضی ولا حول ولا قوہ الا باللہ۔ (ابن ہشام ج ۱ ص ۴۷۰-۴۶۹)

الٰہی! میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے قدری کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی درماندہ عاجزوں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھ کو کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ بیگانہ تُرش رو کے یا اس دشمن کے جسے میرے معاملے پر قابو ہو؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں۔ کیونکہ تیری حفاظت و عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام اندھیرے اُجالے بن جاتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے تمام کام سنور جاتے ہیں اور تیری ناراضی یا غصہ مجھ پر نہ ہو، مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ نیکی کرنے اور بدی سے محفوظ رہنے کی طاقت تیری ہی طرف

سے ملتی ہے۔

ہجرت مدینہ

دارالندوہ مکہ کے سربرآوردہ افراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر بن نوفل، نصر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل بن ہشام، نبیہ اور منبہ بن حجاج، امیہ بن خلف حاضر ہیں۔ حاضرین پر غیظ و غضب کے ساتھ خاموشی طاری ہے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف تقریباً ۱۲ سالہ سرگرمیوں اور تدبیروں کے مناظر ماضی کے جھروکوں میں دیکھ رہے ہیں۔ ان کے دل اپنی ناکامی و نامرادی کے کرب انگیز مناظر سے پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ آج ان کا یہ اہم اجتماع آخری اور قطعی فیصلے کے لیے منعقد ہو رہا ہے۔

دارالندوہ کے دروازہ پر ایک خوبصورت بوڑھا موٹی چادر اوڑھے باریابی کا خواستگار ہے۔ حاضرین نے پوچھا جناب آپ کون ہیں؟ بوڑھے نے جواب دیا میں شیخ نجد ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ایک اہم قرارداد کے لیے جمع ہوئے ہیں، میں بھی اس غرض سے آگیا ہوں کہ مشورے میں شریک ہو جاؤں، رائے دہی اور خیرخواہی میں کوتاہی نہ کروں۔ شرکاء سے اجازت پا کر شیخ نجدی کے روپ میں شیطان لعین اندر داخل ہوا۔

صورت حال پر آخری فیصلے کے لیے تبادلۂ خیال اور مشوروں کا لین دین شروع ہوا۔ کہا گیا حاضرین آپ سب اس حقیقت سے واقف ہیں کہ محمد (ﷺ) بن عبداللہ کی تحریک اب مکہ سے آگے بڑھ کر عرب کے دوسرے علاقوں میں پھیل رہی ہے۔ اس کے متبعین ہمارے پنجۂ استبداد سے نکل کر آزادانہ دوسرے علاقوں میں آباد ہو رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ لوگ ہم پر حملہ آور ہو جائیں اور ہمیں ہماری قدیمی روایات کے ساتھ زمین کا پیوند نہ بنا دیں۔ ایک شخص نے کہا مناسب یہ ہو گا کہ محمد بن عبداللہ کو

پابجولاں کر کے کسی مکان میں قید کر دو اور اس کی موت کا انتظار کرو تاکہ اس کی دعوتِ حق کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ زہیر اور نابغہ جیسے سرکش شاعروں کو تم نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ یہی موثر عمل محمد بن عبداللہ کے ساتھ بھی کیا جائے۔

شیخ نجدی نے کہا واللہ تمہاری یہ رائے ٹھیک نہیں، اگر ہم نے اسے قید رکھا تو اس کا حکم بند دروازے کے باہر اس کے پیروؤں کے پاس جائے گا۔ اس حالت میں قرین قیاس ہے کہ وہ تم پر حملہ آور ہوں اور اسے تمہارے ہاتھوں سے چھین لے جائیں۔ اس کے ذریعہ سے وہ اپنی تعداد تمہارے مقابلہ میں بڑھائیں اور تمہاری حکومت پر غلبہ حاصل کرلیں۔ اس لیے تمہاری یہ رائے مناسب نہیں، کوئی اور تدبیر سوچو۔

غور و فکر کے بعد ایک شخص نے کہا محمد بن عبداللہ کو ہم اپنی آبادی سے نکال کر جلاوطن کر دیں۔ جب وہ مکہ سے چلا جائے گا تو ہمیں اس کے کسی مقام پر آباد ہونے کی پروانہ کرنی چاہیے، ہم آپس میں دوبارہ قدیمی محبت و یگانگت قائم کرلیں گے۔

شیخ نجدی نے انکار کرتے ہوئے کہا واللہ تمہاری یہ رائے مناسب نہیں۔ کیا تم نے اس کی شیرینی گفتار، خوبی کلام اور لوگوں کے دلوں پر اس کی اثر آفرینی نہیں دیکھی۔ مجھے خوف ہے کہ وہ جلاوطن ہو کر عرب کے جس قبیلہ میں ٹھہرے گا، اس پر اپنے کلام و گفتار سے ایسا غلبہ حاصل کرے گا کہ وہ اس کے جانثار بن جائیں گے، پھر وہ تم پر حملہ آور ہو گا اور تمہیں پامال کر دے گا، کوئی اور رائے سوچو! ابو جہل بن ہشام نے جیبِ تفکر سے سر اُٹھاتے ہوئے کہا:

محمد بن عبداللہ کے بارے میں میری ایک تجویز ہے کہ ہر قبیلے میں سے ایک جوانمرد، نوعمر، قوی، شریف النسب منتخب کرلیں اور انہیں ایک ایک تلوار دے دی جائے۔ یہ سب اس کے پاس جائیں اور تلواروں سے ایک ساتھ اس طرح حملہ آور ہوں کہ گویا ایک ہی شخص کا وار ہے اور اسے تہ تیغ کر دیں۔ اس طرح اس کا خون تمام قبیلوں پر بٹ جائے گا۔ بنی عبد مناف اپنی قوم کے تمام افراد سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ ہم سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم پر خون بہا آسان ہو گا۔

شیخ نجدی نے کہا یہ رائے مناسب اور درست ہے۔ حاضرین نے ابو جہل کی

قرارداد پر اتفاق کر لیا۔

اندھیری رات مکہ کے منتخب نوجوانوں کا دستہ تلواریں لیے ہوئے کاشانۂ نبوت پر موجود ہے۔ ابو جہل ابن ہشام نے ان جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”محمد کا دعویٰ ہے کہ اگر تم اس کے احکام کی پیروی کرو تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ تمہارے لیے اردن کے باغوں جیسے باغ ہوں گے۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو تم سے قتال جائز ہو جائے گا اور جب تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو تمہارے لیے آگ ہوگی جس میں تم جلائے جاؤ گے۔“ (ابن ہشام ج ۱ ص ۵۳۱)

اسی حال میں رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لائے اور مٹھی بھر خاک لے کر ارشاد فرمایا:

نعم انا اقول ذلک انت احدھم۔ — ہاں! میں یہ باتیں کہتا ہوں اور تو بھی ایک جہنمی ہے۔

سرکار نے وہ خاک برہنہ شمشیر لیے ہوئے خون کے پیاسوں پر ڈال دی، وہ اس وقت نورِ بصارت سے محروم ہو گئے اور آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝ (الانفال: ۳۰)

اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تیرے خلاف اپنی چھپی تدبیروں میں لگے تھے تاکہ تجھے گرفتار کر رکھیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں اور وہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیریں کرنے والا ہے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لیا اور مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ آج مکہ کے در و دیوار رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانی دشمن بن چکے تھے۔ ذرہ ذرہ مخبری کے لیے آمادہ

تھا۔ وطن عزیز کو راہِ حق میں ترک کیا جارہا ہے۔ صدیوں کی قدیم موروثی جائیداد چھوڑ کر مدینہ سے ہجرت کی جارہی ہے۔ بیت اللہ کا حقیقی وارث حالات کی نامساعدت سے دوچار یثرب کی جانب سرگرم سفر ہے۔

کفار کی خفیہ تدبیریں رائیگاں گئیں۔ جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ سے باہر نکلنے کا یقین ہوگیا تو ان کے تیز رفتار سواروں نے ہر چار سمت کوہستانی راستوں پر گھوڑے ڈال دیئے، مگر خدا کی تدبیر کے آگے انسانی تدبیروں اور کوششوں کو کامیابی و کامرانی کب حاصل ہوئی ہے۔

سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس وجود سے یثرب کا مقدر جاگ اٹھا۔ مدینہ کی پُرنور گلیاں نقش پائے محمد سے رشکِ کہکشاں بن گئیں۔

حق و باطل کے اہم معرکے

ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول کو امن و سکون کی فضا میسر آئی۔ انہوں نے ایسی زرخیز زمین کو اپنا مسکن بنایا جو شجرِاسلام کی نشوونما اور اس کے برگ و بار کے پھیلاؤ کے لیے بے حد سازگار ثابت ہوئی۔ مدینہ دعوتِ حق کی اشاعت کا مرکز بن چکا تھا۔ جہاں سے اسلامی انقلاب کی شعاعیں عرب کے دوسرے مقامات تک پہنچ رہی تھیں۔ پیغمبر اسلام اسلامی صداقت سے دلوں کی دنیا فتح کر رہے تھے۔ قبائلی افتراق و انتشار کی جگہ اخوت و مساوات کی بنیادوں پر ایک خوشگوار معاشرہ تشکیل دے رہے تھے۔ عرب کے لاقانونی غیر منظم سماج میں ایک منظم جمہوری ریاست ترتیب دے رہے تھے۔ بے علمی و جہالت کے تاریک ماحول میں علم و عرفان کی شمعیں روشن کر رہے تھے۔ شرک و بت پرستی کی لایعنیت کا خاتمہ کر کے خدا پرستی و خدارسی کا خوشگوار ماحول پیدا کر رہے تھے۔۔۔ باطل شعاری و بدکرداری کی تند و تیز آندھیوں میں حُسنِ اخلاق کے چراغ روشن کر رہے تھے۔ صدیوں سے طبقاتی کشمکش کی چکیوں میں پسنے والے پسماندہ انسانی طبقات کو سماجی انصاف اور عدل کے راستے پر گامزن کر رہے

تھے۔

مدینہ میں اسلام بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ اس کی اخلاقی و روحانی تعلیمات کا سیلاب عرب کے ریگزاروں کو سیراب کر رہا تھا۔

ان حالات میں باطل پرست، جارح و سفاک کفار و مشرکین مکہ جن کے جبرو استبداد کا ہدف پیغمبرِ اسلام اور مسلمان برسوں تک رہ چکے تھے، جنھوں نے اسلام کے چشمۂ ہدایت کو خشک سرابستان خانے کی ان تھک کوشش کی تھی۔ سینکڑوں میل کے فاصلہ پر اسلام کی بڑھتی ہوئی افرادی قوت اور باطل نظام حیات کے مقابل صالح دستورِ دین و دنیا کا قیام کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

اسلام کے عسکری نظام کی تشکیل اور افرادی قوت کے فروغ نے انھیں بڑے بڑے خطرات و خدشات میں مبتلا کر دیا۔ اب ان کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنی افرادی قوت کو منظم کریں اور اپنی فوجی طاقت کو مستحکم بنائیں تاکہ اسلام کی اُبھرتی قوت کو بزور شمشیر کچل دیں یا کم از کم اپنی حفاظت کا بندوبست کر سکیں۔ اس غرض سے قریش نے سب سے پہلے جنگی اخراجات کے لیے ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ کیا اور مکہ کے عمائدین نے نوجوانوں کی حربی تربیت کا آغاز کر دیا تاکہ ان کی عسکری تنظیم ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر بن جائے اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کی وہ امکانی کوششیں بروئے کار لا سکیں۔

معرکہ بدر

سنہ ۲ ہجری بدر کا سنگلاخ میدان، ایک جانب پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی قیادت میں ۳۱۳ بے سروساماں سرفروشوں کی جمعیت تھی۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے، چند تلواریں، کچھ نیزے، دوسری جانب باطل پرست مشرکین کا حربی سازو سامان سے لیس ایک ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل لشکر، مشرکین افرادی قوت کے لحاظ سے حق پرستوں کے مقابلہ میں تین گنے تھے۔

کھلے میدان میں کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی۔ کفار مکہ اس عزم و ارادہ سے آئے تھے کہ وہ شمع ہدایت کو گل کر دیں اور اس کے برداروں کو خاک صحرا کا پیوند بنا دیں۔ دوسری طرف خدا کا برگزیدہ رسول تائید و نصرت خداوندی پر اعتماد کرتے ہوئے قلعہ باطل کی دیواریں منہدم کرنے اور اسلام کے قلعہ عظمت و اقتدار کی خشت اولین رکھنے کا متمنی تھا۔ مسلمان جنگ جیتنے یا دفاع کے لازمی ساز و سامان سے خالی تھے۔ افراد کی قلت مادی وسائل کی ناقابلِ بیان کمی ظاہر کر رہی تھی کہ لشکر اسلام کفار و مشرکین کے سیلاب حرب کے سامنے خس و خاشاک کی طرح پامال ہو کر رہ جائے گا، مگر یہ جنگ حق و باطل کے جنگ تھی ملک گیری یا سرحدوں کی حفاظت اس جنگ کا مطمح نظر نہ تھا۔ صورت حال یہ تھی:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ۔	جو لوگ باہم لڑے، تمہارے لیے عبرت کا نشان ہے۔ ایک گروہ خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

(آل عمران: ۱۳)

یہ عجیب منظر تھا، وسیع و عریض دنیا میں توحید اور دین برحق کی قسمت چند بے سروساماں جانوں پر منحصر تھی۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ کیفیت تھی کہ ساری رات بارگاہ خداوندی میں مناجات کرتے گزری۔

اللھم انجزنی ما وعدتنی اللھم ان تھلک ھذا العصابہ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض۔	خدایا تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔ خدایا! یہ چند نفوس اگر آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک کوئی تیری پرستش نہ کرے گا۔

حق و باطل کا معرکہ گرم ہوا اور تائید خداوندی نے مسلمانوں کو فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔ کفارِ مکّہ شکست فاش سے دوچار ہوئے۔ اس طرح اس آزمائش سے داعی حق عہدہ برآ ہوئے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ	اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی اس

وَاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ○ — حال میں کہ تم کمزور تھے تو تم اللہ سے ڈرو اُمید کہ شکر گزار ہو جاؤ گے۔

(آل عمران: ۱۲۳)

دنیا نے دیکھ لیا کہ مادی ساز و سامان پر بھروسہ کرنے والے باطل پرست اپنی بے پناہ قوت کے باوجود حق کے کمزور و ناتواں طرفداروں پر حاوی نہ ہو سکے۔ نصرت خداوندی نے روحانیت کے علمبرداروں کے ذریعہ باطل کی طاغوتی تنظیم و قوت کو تتر بتر کر دیا۔

غزوہ احد

جنگِ بدر میں قریش کو جس شکستِ فاش کا منہ دیکھنا پڑا' بڑے بڑے سورما' شہ زور تہ تیغ ہوئے' بے اندازہ مال و دولت کا زیاں ہوا' اس نے قریش کو ایسا زخم کاری لگایا تھا جس نے ناسور کی صورت اختیار کر لی جس کے صدمہ سے پورا شہر مکّہ سوگوار اور گھر گھر ماتم کدہ بن گیا تھا۔

عکرمہ بن ابی جہل' صفوان ابن امیہ' عبداللہ بن ربیع' قریش کے ان خانوادوں کے پاس جاتے جن کے نوجوان جنگ بدر میں ہلاک ہوئے تھے اور ولولہ انگیز انداز میں کہتے:

> "اے گروہ قریش! محمد نے تمہارا قلع قمع کر دیا ہے۔ تمہارے اچھے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ محمد سے جنگ کے لیے مال و متاع سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم اپنے آدمیوں کا بدلہ لے سکیں۔" (ابن ہشام ج ۲' ص ۴۰)

شکستِ فاش کے کرب اور قریش کے انتقامی نعرے نے پورے مکہ میں انتقامی جنگ کے لیے فضا سازگار کر دی اور مال و متاع کی فراہمی کا کام پورے زور و شور کے ساتھ شروع ہوا۔ ایک روایت کے مطابق ڈھائی لاکھ درہم جمع ہوئے۔ پہلے سے کہیں

زیادہ جوش و خروش کے ساتھ بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں---

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ○ (انفال: ٣٦)

بیشک جو لوگ کفر پر مصر ہیں، وہ اپنے اموال کو اس مقصد سے خرچ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر سکیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ اپنے اموال کو خرچ کر کے حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ پائیں گے اور بلاشبہ کافر جہنم کی طرف اکٹھا کئے جائیں گے۔

اسیرِ بدر عہد شکن ابو عزہ عمرو بن عبداللہ جحمی کفار قریش کو جنگ جیتنے کے لیے ورغلاتا ہے۔

ایھا بنی عبد مناہ الرزام انتم حماہ وابوکم حام

لا تعدونی نصرکم بعد العام لا تسلمونی لا یحل السلام

(ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱)

(ترجمہ:) "میدانِ رزم میں جم کر لڑنے والے بنو عبد منات! تم اپنے باپ دادا کی طرح بڑے زور اور حمایت کے آدمی ہو، اس موقع پر مدد کرو۔ اس سال کے بعد تمہیں ہماری مدد و نصرت کے وعدے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں دشمن کے ہاتھ میں نہ چھوڑو، کیونکہ ایسا کرنا کسی طرح جائز نہیں۔"

شوال سنہ ۳ھ میں قریش کا جذبہ انتقام سے لبریز تین ہزار شہ سواروں پر مشتمل لشکر پورے حربی ساز و سامان کے ساتھ میدانِ اُحد میں پہنچا۔ جس میں سات سو زرہیں، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ تھے۔

لشکر کفار کی خبر مدینہ پہنچی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کی جائے، مگر پُرجوش جوانانِ اسلام کھلے میدان میں نبرد آزما ہونا چاہتے تھے، چنانچہ رسول اعظم و اکرم کی قیادت میں ایک ہزار افراد پر مشتمل اسلامی لشکر مدینہ سے اُحد کی طرف بڑھا۔ اثنائے راہ عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو

ساتھیوں کے ساتھ لشکرِ اسلام سے جُدا ہو گیا۔ اس علیحدگی کا انتہائی خطرناک مقصد یہ تھا کہ اس طرزِ عمل سے جانثارانِ اسلام کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان میں مشرکین سے معرکہ آرائی کا جوش و خروش باقی نہ رہے گا اور مسلمانوں کے درمیان انتشار کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سات سو مجاہدینِ اسلام کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میدانِ اُحد میں فروکش ہوئے۔ تین ہزار دشمنوں کے مقابلہ میں ۶۵۰ فداکاروں کی جمعیت کے ساتھ جو ظاہری اسباب جنگ اور افرادی قوت کے لحاظ سے دشمن کا پانچواں حصہ تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صف آرائی کی۔ ۵۰ تیر اندازوں کو جبل عینین پر متعین فرمایا کیونکہ عقب سے دشمنوں کے حملہ کا احتمال تھا۔ ان تیراندازوں سے ارشاد فرمایا:

"اگر جنگ میں ہماری فتح ہو جائے، پھر بھی مورچہ نہ چھوڑا جائے۔"

جنگ شروع ہوئی، مادی سازو سامان سے لدی ہوئی پانچ گنی فوج نے پوری شدت کے ساتھ پرستارانِ حق پر حملہ کر دیا۔ روحانیت اور تائید غیبی پر یقین کامل رکھنے والے مجاہدین نے پوری جرأت کے ساتھ پیش رفت کی، چند ہی گھنٹوں کے آویزش کے بعد باطل پرستوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ وہ اپنا سازو سامان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ مشرکین کی شکست فاش کے بعد مجاہدینِ اسلام مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میدان صاف تھا۔ دشمن بھاگ چکا تھا۔ کوہ عینین پر مامور تیراندازوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اپنے امیر کے حکم کو نظرانداز کرتے ہوئے مورچہ سے ہٹ گئے اور مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔

خالد بن ولید (جو ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے) ایک گروہ کو منظم کر کے کوہ اُحد کی شمالی جانب میلوں کا فاصلہ طے کر کے اُحد اور کوہِ عینین کے درمیانی حصہ سے بے خبر مجاہدینِ اسلام پر اچانک حملہ آور ہوئے۔ کوہ عینین پر رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن تیراندازوں کو متعین فرمایا تھا ان کی اکثریت وہاں سے ہٹ چکی تھی۔ چند تیر انداز خالد بن ولید کے پُرجوش حملے کو روکنے میں ناکام رہے اور شہادت پا

گئے۔ خالد بن ولید کے عقبی حملے کو دیکھ کر باقی ماندہ کفار نے بھی مجتمع ہو کر اگلا مورچہ سنبھال لیا۔ اس طرح مجاہدین اسلام کفار کے نرغے میں آگئے۔ ان کے اوسان خطا کر گئے۔ انتشار و اضطراب کی کیفیت میں وہ صف آرا نہ ہو سکے۔ کفار کے حملوں کی تاب نہ لا کر بہت سے مجاہدین نے مدینہ کا رخ کر لیا۔ اس اثناء میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے۔ زمین پر گرے۔ کفار نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا اعلان کر دیا۔ اب کیا تھا مسلمانوں کی رہی سہی قوت نے بھی جواب دے دیا۔ پراگندہ، بدحواس لشکر کی ترتیب ناممکن ہو گئی۔ اس طرح شاندار فتح شکست میں تبدیلی ہو گئی۔

اس افراتفری اور پریشانی کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جانثاروں کی ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد مجتمع کی۔ رفتہ رفتہ مسلمان شمع رسالت کے گرد جمع ہونے لگے اور آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُحد کی گھاٹی کی طرف چلے۔ اُحد کی ایک چٹان پر قیام فرمایا۔

جب میدان خالی ہو گیا ابوسفیان نے پکار کر کہا: مسلمانو! تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں؟ ابوبکر ہیں؟ عمر ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب سے روک دیا۔ خاموش دیکھ کر ابوسفیان نے کہا کہ سب مارے گئے۔ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ عمر ضبط نہ کر سکے اور کہا دشمن خدا تو جھوٹا ہے، ہم سب زندہ ہیں۔

ابوسفیان نے با آواز بلند پکار کر کہا آئندہ سال انہیں دنوں میں بدر کے مقام پر پھر ہمارا مقابلہ ہو گا اور پورا لشکر قریش مکہ کی جانب لوٹ گیا۔

ابتلاء و آزمائش کا بڑا ہی دردناک منظر تھا۔ تعبیر کے تسامح نے مسلمانوں کی فتح کو شکست میں بدل دیا تھا۔ مشرکین کے شدید حملوں سے تقریباً ۱۰۸ مجاہدین اسلام شہادت یاب ہوئے۔ جان و مال کے ناقابل تلافی نقصان کے ساتھ شکست بددلی و بے اطمینانی کا باعث تھی۔ ان حالات میں یہود و منافقین کی ریشہ دوانیاں تیز تر ہو گئیں۔ ان کی جانب سے اندیشوں اور شکوک کے نئے نئے شگوفے روز کھلتے اور مسلمانوں کو حق و صداقت سے منحرف کرنے کی ناپاک کوششیں کی جاتیں۔

یہ جنگ اور اس کا انجام ایک معیار تھا جس پر کھرے کھوٹے کی تمیز کرنی مقصود تھی --- ایمان و ایقان کی راہ میں نشیب و فراز، سرد و گرم ہر ماحول سے صبر و استقامت کے ساتھ گزرنے کی تربیت تھی:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ۔ (آل عمران: ۱۵۳)

(اور وہ وقت یاد کرو) جب تم میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے اور کوئی ایک دوسرے کو مڑ کر نہ دیکھتا تھا اور رسول تمہارے پیچھے تمہیں بلا رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے اس کمی کی پاداش میں تمہیں رنج پر رنج دیا تاکہ اس حادثہ سے عبرت پکڑو، اس چیز پر غم نہ کرو جو ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت پر غم کرو جو تم پر نازل ہو جائے۔

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (آل عمران: ۱۶۰)

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہاری مدد چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کوئی ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے، اور مومن تو صرف اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جس وقت تم ان کفار کو بحکم الٰہی قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم جب خود ہی کمزور پڑ گئے اور حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم کو وہ بات دکھا دی جو تم چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض وہ لوگ تھے جو دنیا کو چاہتے تھے

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ○ (آل عمران: ۱۵۲)

اور بعض وہ تھے جو آخرت کو چاہتے تھے، پھر تم کو کفار سے ہٹا دیا تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف بھی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

غزوۂ احزاب

مکّہ کی سرزمین پر مشرکین مکہ کے سردار مجتمع ہیں۔ مدینہ سے جلاوطن قبیلہ نضیر کے سربرآوردہ افراد سلام بن ابو حقیق، حی ابنِ اخطب، کنانہ بن ابو حقیق، حوزہ بن قیس وائلی، ابو عمار وائلی اسلام کے خلاف خفیہ سازش اور ایک متحدہ فوجی مہم کا منصوبہ پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا:

"ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف اس وقت تک تمہارا ساتھ دیں گے جب تک ان کا استیصال نہ ہو جائے۔"

قریش نے یہود سے سوال کیا: تم پہلی کتاب پر ایمان رکھتے ہو، تم جانتے ہو ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان اختلاف کیا ہے۔ بتاؤ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا؟

اسلام دشمنی نے حق و باطل کے درمیان سچے فیصلے سے باز رکھا۔ دنیاوی مصالح غالب آئے اور بدترین یہود نے جواب دیا نہیں نہیں، تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور تم ان کی بہ نسبت حق سے زیادہ قریب ہو۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۸)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا○ اُولٰۗئِكَ

کیا تُو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ہے۔ وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں

اَلَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا (النساء: ۵۲-۵۱)

جنہیں اللہ تعالیٰ نے پھٹکار دیا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ پھٹکار دے اس کا کوئی حامی نہ پاؤ گے۔

جنگ بدر کے اختتام پر ابو سفیان نے اگرچہ اگلے سال بدر میں جنگ کی وارننگ دی تھی مگر مکہ پہنچنے کے بعد اسے حالات کی نزاکت اور جنگی اہتمام کی دشواریوں کا سخت احساس ہوا اور وہ کسی بڑی جنگ کا فیصلہ نہ کر سکا۔ بنو نضیر کے یہود نے کفار مکہ کے حوصلے بڑھا دیئے اور مکہ سے مدینہ تک ساری اسلام دشمن طاقتیں مجتمع ہونی شروع ہوگئیں اور چمنِ اسلام کو بیخ و بُن سے نابود کرنے کے لیے ایک مرکز پر جمع ہوگئیں۔ قریش، غطفان، بنی اسعد، بنو سعد، بنو سلیم، بنو مرہ، بنو نضیر سب اسلام کے خلاف عہدِ موافقت باندھ کر شوال سنہ ۵ھ میں مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔

کم از کم دس ہزار زرہ پوش سپاہ پر مشتمل متحدہ فوج آندھی طوفان کی طرح مدینہ منورہ کے شمالی حصہ پر چھا گئی۔ مخالفین کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس فیصلہ کن معرکہ میں اسلام کی عسکری قوت کو زیر و زبر کر کے مدینہ کی اسلامی ریاست کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس طرح جزیرہ نمائے عرب سے پرستارانِ حق کو مٹا دیں گے۔

عرب کی متحدہ اسلام دشمن قوتوں کی اجتماعی یلغار کی اطلاع مدینہ پہنچی۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شدید ترین آزمائش کے تدارک کی تدبیروں پر غور و فکر کے لیے کبار صحابہ کی مجلسِ شوریٰ طلب کی۔ دفاعی تدابیر کے باب میں ماہرینِ حرب نے تبادلہ خیال کیا۔ حضرت سلمان فارسی کی رائے پر اتفاق کیا گیا کہ اہلِ فارس کے طریقہ دفاع کے مطابق شہر کے شمالی کنارے پر (جدھر سے دشمن کے داخلہ کا امکان ہے) ایک اتنی لمبی چوڑی گہری خندق کھود دی جائے جس سے اجتماعی طور سے دشمنوں کا مدینہ میں داخل ہونا ناممکن ہو جائے گا۔ اس طرح جنگ جو عربوں کو نئی صورت حال کا سامنا ہوگا اور مسلمانوں کے لیے خندق اونچی مضبوط فصیل سے کہیں زیادہ محافظ ثابت ہوگی۔

مگر یہ بھی ایک بڑا سخت امتحان تھا۔ تقریباً ساڑھے تین میل لمبی، دس گز چوڑی اور اتنی ہی گہری خندق انہیں جان نثارانِ اسلام کو کھودنی تھی جنہیں دشمنوں کے تیز و

تند عسکری سیلاب کا مقابلہ بھی کرنا تھا۔ لیکن ایمان و یقین کی قوت سے مالا مال ہونے والے فرزندانِ توحید نے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم کی قیادت میں بھوک اور پیاس کی شدتیں برداشت کرتے ہوئے، اپنے جذبہ ایثار و عمل سے خندق کی تکمیل کرلی۔

کفار و مشرکین کا عظیم لشکر ولولوں اور تازہ جوش و خروش کے ساتھ مدینہ کے شمالی کنارے پر خندق سے پرے فروکش ہوگیا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم اپنے تین ہزار جانثاروں کے ساتھ کوہِ سلع کے دامن میں خندق کی جانب رُخ کرکے فروکش ہوگئے۔ دونوں لشکر مقابل تھے، بیچ میں خندق حائل تھی۔

ادھر مدینہ میں بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم سے عہد شکنی کی۔ منافقین نے کھل کر اپنی چھپی ہوئی کدورتوں کا اظہار کیا۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو اندرونی و بیرونی دونوں خطرات سے دوچار کردیا تھا۔ انتہائی سخت آزمائش تھی۔ استقلال و پامردی کا عظیم امتحان تھا۔

عرصہ دراز تک محاصرہ قائم رہا۔ کبھی کبھی تیراندازی ہوتی اور کبھی مشرکین کے بعض افراد جوش جنگ میں خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے اور انہیں ہلاک کردیا جاتا۔

ایک دن عمرو بن عبدود بن ابو قیس، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب آمادۂ قتال ہوئے۔ گھوڑوں پر سوار ہوکر بنو کنانہ کے منازل سے گزرے اور ان سے کہا: "بنو کنانہ! جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آج مرد میدان کون ہے؟" جب یہ لوگ خندق کے کنارے پہنچے تو خندق دیکھ کر کہا: "خدا کی قسم! یہ تو وہ ترکیب و تدبیر ہے جو عرب نہیں کرسکتے تھے۔"

انہوں نے خندق کی ایک تنگ جگہ کا ارادہ کیا۔ گھوڑوں کو ایڑ لگائی تو وہ پار تھے، اب خندق اور سلع پہاڑ کے درمیان ان کے گھوڑے شورہ زار میں چکر لگانے لگے۔ حضرت علی ایک جماعت لے کر نکلے۔ جنگجو حریف سامنے آئے تھے۔ عمرو بن عبدود نے پکارا، کون مقابلہ پر آئے گا۔ حضرت علی مقابلہ پر آئے اور اسے ہلاک کردیا۔ باقی مشرکین

زخمی ہو کر فرار ہو گئے۔

محاصرہ کی طوالت، مسلسل کدو کاوش، شب بیداری مسلمانوں کے لیے باعثِ اضطراب تھی، مگر ناقابلِ عبور خندق سے دشمن بھی سخت پریشان تھا۔

محاذ کی وسعت، محاصرے کی طوالت، تعداد اور سامان حرب کی قلت، بے سروسانی، فاقہ کشی، شب بیداریاں، مسلسل تگ و دو، منافقین کی علیحدگی، بنو قریظہ کی عہد شکنی، سامنے خون کے پیاسے دشمنوں کا ٹڈی دل لشکر یقیناً راہ حق و صداقت کا ایک عظیم امتحان، اور بڑی آزمائش تھی، قرآن عزیز نے جس کی ان الفاظ میں منظر کشی کی:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ۔ (احزاب: ۱۰)	یاد کرو جس وقت کہ دشمن بالائی جانب سے بھی اور زیریں جانب سے بھی تمہاری جانب بڑھے اور جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے۔

یہ اسلام کے خلاف باطل طاقتوں کا سب سے بڑا محاذ تھا۔ جس نے سابقہ ساری آزمائشوں کو بھلا دیا تھا۔

اس نازک مرحلہ میں ہادی برحق نے اسلام کی حفاظت اور دشمنانِ اسلام کے درمیان افتراق و انتشار کی دعائیں کیں:

اللھم منزل الکتب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم لا الہ الا اللہ وحدہ اعز جندہ ونصر عبدہ وغلب الاحزاب وحدہ فلا شی بعدہ۔	اے کتاب کے نازل کرنے والے خدا! اے جلد حساب لینے والے تو مشرکین کی جماعتوں کو شکست دے، الٰہی ان کو فرار کر، ان کو ڈگمگا دے۔ کوئی خدا نہیں اللہ کی ذات کے سوا جو یکتا ہے۔ اس نے اپنے لشکر (مسلمان) کو عزت بخشی اور اپنے بندہ (محمد) کی مدد کی اور یکتا ذات احزاب (سب جماعتوں) پر غالب ہے اور اس کے سوا سب فانی ہے۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کا آخری پیغام پوری دنیا کے انسانوں کے لیے لے کر آئے تھے اور اسے دنیا میں قیامت تک باقی رہنا تھا۔ حق کے پرستار عرب کے ریگزاروں کا پیوند بن جائیں۔ یہ مشیت ایزدی کو ہرگز گوارہ نہ تھا۔ جب امتحان و آزمائش کی گھڑیاں نقطہ عروج کو پہنچ گئیں اور توحید و رسالت کے پروانوں نے استقلال و ثبات قدمی دکھائی تو دشمنوں کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو افتراق و انتشار سے دوچار کر دیا گیا۔ جاہلیت خالصہ اور شرک و کفر کی بنیادوں پر مبنی قبائلی محاذ باہمی بے یقینی اور بے اعتمادی کا شکار ہو گیا جس نے کفار میں کمزوری اور ہزیمت کا احساس سخت کر دیا۔ سفر کی مشقتوں اور مال و اسباب کا لاحاصل زیاں، عظیم لشکر کی خوراک و رسد کا مسئلہ پیچیدگی پیدا کرنے لگا۔

دوسری جانب موسم ناسازگار ہو گیا۔ طبعی عوامل نے باطل پرستوں کے سارے جذبات سرد کر دیے۔ ایک شب اچانک سخت طوفانی آندھی چلی۔ اس کی قوت و زور نے کفار کے خیمے اکھیڑ دیے۔ مویشی اور جانور وحشت زدہ ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ اس غیبی انتظام اور ضربِ شدید نے اسلام دشمن عناصر کے رہے سہے حوصلے پست کر دیے اور ہر طرف حواس باختگی کا عالم طاری ہو گیا۔ صبح ہوئی تو آزمائشوں کا سخت بادل چھٹ چکا تھا اور کفار و مشرکین کی فوج واپس ہو رہی تھی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (احزاب: ۹)

اے ایمان والو! رحمت خداوندی کو یاد کرو جو تم پر اس وقت کی گئی جب تم پر مشرکین کے لشکر چڑھتے تھے۔ پس ہم نے ان پر ہوا کو اور ایسے لشکر کو بھیج دیا جس کو تم نہیں دیکھ رہے تھے اور جو کام بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

جنگ احزاب میں اسلام دشمن متحدہ قوتوں کی ناکامی نے سرزمین عرب پر اسلام کی شوکت و عظمت کا ایسا سکہ بٹھا دیا کہ پھر کسی دشمن کو مدینہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی اور اسلام کا سرمدی پیغام پوری قوت کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب میں

پھیلنے لگا۔ دلوں کی دنیا مسخر ہونے لگی۔ اسلام دشمن عناصر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

اختتام جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو پیش گوئی ارشاد فرمائی تھی:

نغزوھم ولا یغزونا۔ ہم ان پر چڑھائی کریں گے اب وہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے۔

حرف بحرف صادق آئی۔

صلح حدیبیہ

ذی قعدہ سنہ ۶ھ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو افراد پر مشتمل فرزندانِ توحید کی جماعت کے ساتھ مکّہ کے قریب فروکش ہیں۔ کفارِ مکّہ کی جانب سے مسلمانوں کو روکنے کی جدوجہد فوجی پیمانے پر کی جانے لگی' اور ان کا لشکر مکہ سے باہر فروکش ہوگیا۔ ادھر مقصود سفر صرف مرکز توحید بیت اللہ کا طواف اور شعار عمرہ کی بجا آوری تھا۔

دونوں جانب سے قاصدوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہوا تو بُدیل بن ورقاء خزاعی بنی خزاعہ کے چند معزز افراد کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ آپ کس کام کے لیے آئے ہیں۔ حضور نے بیان کیا کہ ہم صرف کعبہ کی زیارت کو آئے ہیں' حرب و جنگ کے لیے نہیں آئے۔ بُدیل اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قریش کے پاس پہنچا اور کہا اے قریش! تم ناحق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے واسطے جنگ کی تیاری میں عجلت سے کام لے رہے ہو حالانکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنگ کے واسطے نہیں آئے' وہ تو صرف زیارت کے واسطے آئے ہیں۔ قریش نے کہا ان سے ایسا کبھی نہ ہوگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زیارت کا دھوکہ دے کر ہمارے شہر کو فتح کرلیں اور پھر تمام عرب میں ہماری بے وقوفی اور فریب خوردگی کا شہرہ ہو۔ (ابن ہشام ص ۳۶۵)

کفارِ قریش کا یہی اندیشہ تھا جس نے انہیں اپنی عسکری قوت کو متحد کرنے پر مجبور کر دیا اور ان کا لشکر مکہ سے باہر مقام بلدح میں مقیم ہو گیا اور خالد بن ولید مقدمہ الجیش کے طور پر دو سو سوار لے کر غمیم پہنچ گئے --- قریش بیت اللہ کی زیارت و طواف سے فرزندانِ توحید کو روکنے کے لیے پورے طور پر مسلح اور آمادہ تھے، مگر نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم قتل و خونریزی سے مجتنب حالتِ احرام میں پُر امن زائرین کی طرح مکہ میں داخل ہو کر رسوم زیارت بجالانا چاہتے تھے ۔ یہ عجیب کشمکش تھی کہ ایک طرف باطل کے پرستار کشت و خون کے لیے آمادہ تھے اور دوسری جانب اہلِ حق امن و آشتی کا پیکر بنے ہوئے تھے ۔ الغرض فریقین کے درمیان نمائندوں کی آمد و رفت کے نتیجہ میں صلح کے امکانات روشن ہوئے ۔ قریش نے سہیل بن عمرو، حوطب بن عبدالعزیٰ، حفص کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے پاس صلح کے لیے بھیجا ۔

باہمی تبادلۂ خیال سے صلح نامہ کے شرائط طے پائے اور فریقین نے صلح نامہ پر مہر وفا ثبت کر دی ۔ صلح نامہ کی کتابت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی ۔

اصطلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یامن فیه الناس ویکف بعضهم عن بعض علی انه من اتی محمدا من قریش بغیر اذن ولیه رده علیهم ومن جاء قریشا ممن مع محمد لم یردوه علیه وان بیننا عیبه مکفوفه وانه لا ارسال ولا اغلال وانه من احب ان یدخل فی عقد محمد وعهده دخل فیه ومن احب ان یدخل فی	دونوں نے اتفاق کر لیا کہ دس سال تک جنگ بند رہے گی ۔ ان دس سالوں میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے اور وہ ایک دوسرے سے ہاتھ روکے رہیں گے ۔ شرط یہ ہے کہ قریش کا جو آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا محمد ﷺ اسے قریش کے پاس لوٹا دیں گے اور محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو آدمی قریش کے پاس آئے گا قریش اسے محمد ﷺ کے پاس واپس نہ کریں گے ۔ نیز یہ کہ دلوں کی عداوتیں دلوں ہی میں رہیں گی، انہیں ظاہر نہ کیا جائے گا نہ بدعہدی،

عقد قريش وعهدهم دخل فيه - (ابن ہشام ج ۲ ص ۳۷۹)	اور خیانت کی جائے گی اور یہ کہ جو پسند کرے محمد ﷺ کے عقد و عہد میں داخل ہو، وہ اس میں داخل ہو جائے اور جو پسند کرے کہ قریش کے عقد و عہد میں داخل ہو وہ ان کے عقد و عہد میں داخل ہو جائے۔

دیگر کتب سیر و تاریخ میں ایک اہم شرط اور بھی مذکور ہے۔۔۔

"اس سال مسلمان مکّہ میں داخل ہوئے بغیر ہی واپس چلے جائیں، آئندہ سال مسلمان مکّہ میں بغرض عمرہ اس طرح داخل ہوں گے کہ ان کی تلواریں نیام میں ہوں گی اور تین دن قیام کریں گے۔"

بظاہر یہ صلح کے شرائط مسلمانوں کی شکست اور مغلوبیت پر دلالت کرتے ہیں جو راہ حق کی ایک کڑی آزمائش تھی مگر اس کے عواقب اور نتائج پر سرسری نظر ڈالی جاتی ہے تو یہی صلح فتح مکّہ کا فتح باب کرتی ہے اور فتح مبین کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ ابنِ شہاب زہری کا بیان ہے:

"حدیبیہ کی صلح سے بڑھ کر اس سے پہلے اسلام میں کوئی فتح نہیں ہوئی کیونکہ جنگ موقوف ہو گئی تھی اور لوگ گفتگو اور مباحثہ میں مشغول ہوئے تھے۔ پس جس میں کچھ بھی عقل کا حصّہ تھا وہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔"

(ابن ہشام ج ا ص ۳۷۱)

اس قول پر ابنِ ہشام تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"زہری کے اس قول کی دلیل یہ بات ہے کہ جب حضور حدیبیہ میں آئے ہیں تو آپ کے ساتھ چودہ سو آدمی تھے اور اس کے دو ہی برس بعد جب آپ فتح مکّہ کے واسطے آئے ہیں تب آپ کے ساتھ دس ہزار افراد تھے۔" (ایضاً ص ۳۷۱)

اس مقام پر فتح مبین سے مراد واقعہ حدیبیہ ہے۔ صلح حدیبیہ نے درحقیقت فتح مبین فتح مکّہ کے لیے راہ کھول دی۔ یہ اس لیے کہ جب جنگ کا خطرہ درمیان سے جاتا رہا

اور امن و اطمینان کی صورت پیدا ہو گئی تو مکّہ اور مدینہ کے درمیان سلسلہ آمدورفت بے خوف و خطر ہونے لگا اور حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص جیسے دلیر اور مدبر حضرات کا قبولِ اسلام اسی صلح کا کارنامہ ہے اور یہی اسبابِ ترقی آہستہ آہستہ فتح مکّہ کا باعث بنے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۵)

فتح مکّہ اور تطہیر کعبہ

صلح حدیبیہ کے بعد دین حق تائید خداوندی اور داعی حق کی مساعی جمیلہ سے جزیرہ نمائے عرب میں پھیلتا رہا۔ عربی قبائل جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ دعوت حق کا دائرہ عرب کی سرحدوں سے بڑھ کر بین الاقوامی حیثیت اختیار کرنے لگا۔ قیصرو کسریٰ اور دیگر سلاطین و اُمراء کو دعوت اسلام دی گئی۔ امن و سکون کے لمحات نے اسلام کی سطوت و قوت میں روز بروز اضافہ کیا۔

کفر و شرک کی صدیوں پرانی اجارہ داری ٹوٹنے لگی اور ان کے مضبوط قلعے لرزنے لگے۔ سماجی ناانصافی کی بنیادوں پر قائم نظامِ حیات کے شیرازے عدل و مساوات کی نورانی شعاعوں سے منتشر ہونے لگے۔ صلح حدیبیہ کی شرطوں پر ڈیڑھ سال تک طرفین قائم رہے مگر قریش کے حلیف بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قریش نے باہمی مشورہ سے بنی بکر کا ساتھ دیا اور بنو خزاعہ کے افراد کو جی کھول کر اپنی عہد شکن تلواروں کا نشانہ بنایا۔ قریش اور اس کے حلیف نے بنو خزاعہ کی قتل و غارت گری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

کفارِ مکہ کی عہد شکنی سے جو دردناک تباہی پیدا ہوئی اس کے پیش نظر عمرو بن سالم ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبیلہ خزاعہ کی تباہی و بربادی کا تذکرہ کر کے امداد کے طالب ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔

واللہ لا منعنکم ما امنع نفسی منہ۔	خدا کی قسم! جس چیز کو اپنی ذات سے روکوں گا، تم کو بھی اس سے ضرور محفوظ

رکھوں گا۔

کفارِ قریش نے خود معاہدہ شکنی کی اور جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تاکہ از سرِ نو معاہدہ کی تجدید ہو جائے مگر ابوسفیان نامراد لوٹے۔ کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے عہد نامہ کو توڑ دیا تھا۔ اب اہل اسلام اور کفارِ مکہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔

تاریخ عالم کا وہ مبارک دن اور تاریخ ساز گھڑی آئی جب مکہ کی شاہراہوں سے اسلامی لشکر کے دستے شان و شوکت کے ساتھ گزر رہے تھے اور امن کا داعی با آواز بلند پکارتا ہوا آگے آگے جا رہا تھا۔

"جو ہتھیار ڈال دے، جو ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے لے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، جو حرم کعبہ میں پناہ گزیں ہو جائے اسے مژدۂ امن و سلامتی ہے۔"

مکہ کی سرزمین پر دنیا کی تاریخ حرب و جنگ کا وہ نقشہ نہ تھا کہ فاتح مفتوح قوم کو کچل کر رکھ دیتا تھا اور بے گناہ شہریوں کے خون سے ہولیاں کھیلی جاتی تھیں۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی تھی، درندگی اور سفاکی کے انسانیت سوز مناظر دکھائے جاتے تھے۔

آج رحمۃ للعالمین و داعی امن، محسن انسانیت کا لشکر اپنے بدترین دشمنوں پر فتح یاب ہو کر اسی سرزمین مکہ میں داخل ہو رہا تھا جس میں ان کے لئے چند سال پیشتر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ راہوں میں کانٹے بچھائے جاتے تھے، مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ مگر اسلام شرک و کفر، شر و فساد کو فرو کرنے آیا تھا۔ انسان کشی اور نسل آدمیت کا زیاں اس کا مقصد نہیں۔ اسی لئے دنیا کی تاریخ میں ایسی انوکھی پرامن فتح کبھی نہ دیکھی گئی کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے لئے لا تثریب علیکم الیوم کا مژدۂ جانفزا سنا رہا ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں تشریف لے گئے۔ طوافِ کعبہ کیا پھر عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ کو طلب فرمایا۔ مرکز توحید کا دروازہ کھولا گیا، رحمت عالم

اندر تشریف لے گئے، اندرون کعبہ رکھے ہوئے بتوں کو گراتے جاتے اور فرماتے جاتے۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا وما یبدی الباطل وما یعید۔ تطہیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باب کعبہ پر تشریف لائے۔ ایک نہایت بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کے بین الاقوامی نظام مساوات اور توحید خالص کی تبلیغ موثر لب ولہجہ میں کی گئی۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له صدق وعدہ ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده الا کل ماثر اودم او فال یدعی فهو تحت قدمی هاتین الاسدانه البیت و سقایه الحاج الا قتل الخطاء شبه العمد بالسوط والعصا و فیها الدیه مغلظه منها اربعون خلیقه فی بطونها اولادها --- یا معشر قریش ان اللہ قد اذهب عنکم نخوه الجاهلیه و تعظمها بالا باء الناس من آدم وآدم من تراب ثم تلا هذه الایه یایها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۴۸۸)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور دشمن کی جماعتوں کو اس نے خود ہی شکست دی۔ آگاہ ہو جاؤ! تمام فضیلتیں (جانی ہوں یا مالی) جس کا دعویٰ کیا جا سکے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں بجز ان دو کے یعنی بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانا۔ آگاہ ہو جاؤ! قتل خطا بھی جو کوڑے یا لاٹھی سے ہو وہ قتل عمد کی طرح ہے۔ اس کی دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں۔ اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا ہے۔ سب لوگ آدم سے پیدا ہوئے اور آدم مٹی سے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی --- اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا کیا اور پھر تم کو شاخوں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ

ایک دوسرے کو پہچانو--- اور حقیقت میں
اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی
ہے، جو سب سے زیادہ متقی ہو--- اللہ
تعالیٰ علیم خبیر ہے۔

حکومتِ الٰہیہ

مکہ کی فتح کے بعد رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ اسلام کی حقیقی روح کا ترجمان اور خدائے واحد و یکتا کی الوہیت اور حاکمیتِ اعلیٰ کا وہ بنیادی تصور تھا جس پر اسلامی نظام عقائد و اعمال کی عمارت قائم ہے۔ اب شخصی اور خاندانی تشخص و امتیاز کی روایتیں ختم کر دی گئی تھیں۔ قیصر و کسریٰ جیسی آمریت کے علی الرغم ایک ایسا نظام حکمرانی دنیا کو عطا کیا جا رہا تھا جس میں انسانیت کی فلاح کی ضمانت تھی اور حاکم وقت کو محض خدائی احکام کے نفاذ کا اختیار دیا گیا تھا۔

خدا ساری کائنات کا خالق، مدبر و منتظم ہے۔ وہی حاکم مطلق ہے اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں۔ پورا نظام عالم طبعی طور پر خدا کی حاکمیت کا پابند ہے۔ اسی طرح انسانی نظم معاشرت میں بھی حاکم وقت اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کا پابند ہے۔

قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ۔ (الرعد: ۱۶)	کہو اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا ہے سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا ہے۔
اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔	حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔
قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ۔ (آل عمران: ۱۵۴)	آپ فرما دیجئے سارے اختیارات اللہ ہی کے لئے ہیں۔
لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی۔ (طٰہٰ: ٦)	اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی تہہ میں ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ۔ (السجدة: ۵)

آسمان سے زمین تک دنیا کا انتظام وہی کرتا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ۔ (الاعراف: ۳)

پیروی کرو اس چیز کی جو تمہاری جانب نازل کی گئی تمہارے رب کی طرف سے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء: ٦۴)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○

(الاحزاب: ۳٦)

کسی مومن مرد اور عورت کا یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو اپنے اس معاملہ میں ان کے لئے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ۔ (البقرہ: ۲۴۷)

اللہ جس کو چاہے اپنی حکومت سے نوازے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

(النور: ۵۵)

جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (النساء: ۵۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولوالامر ہیں۔

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ (آل عمران: ۱۵۹)

اے رسول اپنے رفقاء سے مشورہ کرو۔

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ (الشوریٰ: ۳۸)

ان (مسلمانوں) کے معاملات باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔

احادیثِ مبارکہ

السلطان ظل الله في الارض یاوی الیه کل مظلوم من عباد الله۔ (بخاری)

صالح حکمران زمین میں اللہ کے امن کا سایہ ہے، جس کے دامن میں بندوں میں سے ہر مظلوم پناہ پاتا ہے۔

"اسلام اور اقتدار دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں رہ سکتا۔ اسلام ایک عمارت ہے اور اقتدار اس کا دربان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ مٹ جاتی ہے۔" (کنزالعمال)

اسلام کا نظم مملکت کسی ایک فرد یا خاندان کی موروثی حاکمیت میں مرکوز نہیں بلکہ خدا و رسول کے قانون کی بالادستی قبول کرنے والے ہر فرد کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ صالح اسلامی فکر کی منہاج پر چلنے والے انسان کو اپنا حاکم، بادشاہ مقرر کرے اور اسلامی معاشرے پر ایسے حاکم کی اطاعت لازم ہوگی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔

انتخابِ امیر میں چند امور کی پابندی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔

صاحبِ امر خود اسلامی قانون کا متبع صاحبِ ایمان ہو، ذہنی اور جسمانی لحاظ سے اس کے اندر کاروبار حکومت کے انجام دینے کی پوری صلاحیت موجود ہو، صاحب علم اور معاملہ فہم ہو، حالات کے نشیب و فراز کو سمجھنے اور واقعات کی تہہ تک پہنچنے والی بصیرت رکھتا ہو، اس کے اندر دیانت داری اور تقویٰ کی صفت بھی ہو۔

اسلام کا نظام حکومت دین سے جدا نہیں بلکہ امیرالمومنین کے فرائض میں جہاں انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف کا قیام اور ظلم و جور کی مدافعت ہے، وہیں اس کی ذمہ داری اعلائے کلمۂ حق اور نظامِ دینِ حق کا قیام، اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ بھی ہے--- چنانچہ ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمانوں میں جو نظام خلافت قائم ہوا وہ اسلام کے آئین حکمرانی کا درخشندہ عملی ثبوت تھا۔ اور وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز و منفرد تھا، جس نے صرف ملکی و سیاسی معاملات ہی کو اپنا فرض منصبی نہ سمجھا بلکہ اسلام کے نظام عقائد و اخلاق کی تبلیغ و اشاعت کے فرائض انجام دیئے اور نیابت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیعت عامہ کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا اس سے اسلام میں خلیفہ رسول کی حیثیت اور امیر کے حدود امارت و اختیارات پر روشنی پڑتی ہے۔

یاایھاالناس فانی قدولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسات فقومونی، الصدق امانه والکذب خیانه والضعیف فیکم قوی عندی حتی اریح علیه حقه انشاء الله والقوی	صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو اور اگر میں برائی کی طرف جاؤں مجھے سیدھا کرو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے

فیکم ضعیف عندی حتی آخذ الحق منه انشاء الله لا یدع قوم الجهاد فی سبیل الله الا ضربهم الله بالذل ولا تشیع الفاحشه فی قوم الاعمهم الله بالبلاء و اطیعونی ما اطعت الله و رسوله فاذا عصیت الله و رسوله فلا طاعه لی علیکم قوموا الی صلوتکم یرحمکم الله۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص ۱۲۹)

یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں۔ انشاء اللہ تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ جب میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں۔ اچھا اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی مجلس شوریٰ کے سامنے خطبہ دیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"میں نے آپ حضرات کو جس غرض کے لئے تکلیف دی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مجھ پر آپ کے معاملات کی امانت کا جو بار ڈالا گیا ہے، اسے اٹھانے میں آپ میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں آپ ہی کے افراد میں سے ایک فرد ہوں اور آج آپ ہی لوگ وہ ہیں جو حق کا اقرار کرنے والے ہیں۔ آپ میں سے جس کا جی چاہے مجھ سے اختلاف کرے اور جس کا جی چاہے مجھ سے اتفاق کرے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں۔" (کتاب الخراج)

خلافت راشدہ کا زریں عہد اسلام کے حقیقی نظام حکمرانی کا نمائندہ تھا۔ جو انسان کے خلیفہ اللہ فی الارض کے تصور کی عملی تصویر پیش کرتا ہے۔ طبقاتی کشمکش اور

سماجی ناانصافی کے علی الرغم عدل و مساوات کے تابناک اصول پیش کرتا ہے اور شیطانی وساوس کے زیر اثر انسانوں کے خود ساختہ سارے عفریتی نظامِ دین و شریعت اور قیصری انداز حکومت کی لعنتوں سے پاک کر کے دنیا کو صالح معاشرہ اور نظامِ حکمرانی عطا کرتا ہے۔

چمنستانِ رسالت کا گل سرسبد

سرکار تشریف فرما ہیں۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا اضطراب و تشویش کے عالم میں حاضر بارگاہ ہوتی ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام الفضل کے چہرے پر اضطراب کے آثار دیکھے اور سبب دریافت فرمایا--- ام الفضل نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزشتہ شب میں نے انتہائی پریشان کن خواب دیکھا ہے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا وہ خواب کیا ہے؟ عرض کیا ناقابل بیان خواب ہے۔ ارشاد ہوا--- بیان کرو--- ام الفضل نے عرض کیا:

رایت کان قطعه من جسدک قطعت وضعت فی حجری۔	میں نے خواب دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک کو کاٹ کر ایک ٹکڑا علیحدہ کیا گیا اور پھر وہ ٹکڑا میری گود میں ڈال دیا گیا۔

رسول رحمت نے خواب کی تعبیر ارشاد فرمائی:

رایت خیرا تلد فاطمه انشاء الله غلاما یکون فی حجرک۔	تو نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ انشاء اللہ فاطمہ کے یہاں بچہ پیدا ہو گا--- جسے تیری گود میں دیا جائے گا۔

(مستدرک حاکم ج ۱، ص ۱۷۶)

حضرت ام الفضل کا خواب شعبان المعظم ۴ھ کو شرمندۂ تعبیر ہوا اور باغ رسالت میں ایک شاداب پھول کھلا جس کی مہک سے چمنستان رسالت عطر بیز ہو گیا۔ یہ گل سرسبد حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما تھے جو حلم و بردباری، شجاعت و بسالت،

ایثار و عزیمت کا بے مثال پیکر ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت نے خانوادۂ نبوت میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑا دی۔ جو بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھتا بے ساختہ پیار کرنے لگتا۔ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر روز جگر گوشہ رسول کو دیکھنے جایا کرتے۔

ایک دن حضرت ام الفضل بنت الحارث گلشن رسالت کے گل شاداب حسین کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور آغوش رسالت میں دے دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آغوش نبوت میں تھے اور آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں سے اشکوں کے موتی جھڑنے لگے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا:

> "مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میرے اس بیٹے کو میری امت شہید کرے گی، پھر جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی دی۔" (مستدرک ج ۳ ص ۱۷۷)

حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> "میرے گھر میں حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کھیل رہے تھے۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے آکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ کے بعد آپ کے اس بیٹے کو آپ کی امت شہید کر دے گی۔ جبرئیل علیہ السلام کا اشارہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں تھوڑی سی مٹی پیش کی۔ آپ نے اسے سونگھ کر فرمایا۔ اس مٹی سے رنج و بلا کی بُو آتی ہے اور مجھے بلا کر فرمایا۔۔۔ اے ام سلمٰی! جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا میرا بیٹا شہید ہو گیا پھر میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کر دیا۔" (دلائل النبوۃ ص ۴۸۴)

اِفتراقِ امت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت مسلمہ جس افتراق و

انتشار سے دوچار ہوئی وہ اسلامی تاریخ کا بڑا ہی دردناک واقعہ ہے۔ مدینہ منورہ میں مہاجرین و انصار کے اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت عام ہوئی۔ بیعت خلافت کے وقت عالم اسلام کے حالات کس قدر نازک تھے اور شر و فساد کتنی سرعت کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ اس کا اندازہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خطبہ سے کیا جا سکتا ہے جو آپ نے بیعت خلافت کے بعد محضر عام میں ارشاد فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ہادی بنا کر بھیجا ہے۔ جو خیر و شر کو وضاحت کے ساتھ بتاتی ہے۔ لہٰذا خیر کو اختیار کیجئے اور شر سے کنارہ کش رہئے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو حرمت کا درجہ دیا ہے۔ ان میں سب سے فائق حرمت مسلمان کی ہے توحید و اخلاص کے ذریعہ مسلمانوں کے حقوق کو اللہ نے مضبوطی سے مربوط کر دیا ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔ مگر یہ کہ دین و شریعت ہی کا یہ تقاضا ہو کہ مسلمان کا احتساب کیا جائے اور اس پر شرعی قانون جاری کیا جائے۔

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو ایذا پہنچائے مگر یہ کہ ایسا کرنا واجب ہو۔ عوام و خواص دونوں کے حقوق ادا کرنے میں عجلت سے کام نہ لیجئے۔ لوگ آپ کے سامنے ہیں اور پیچھے قیامت ہے جو آگے بڑھا رہی ہے۔ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا رکھئے کہ منزل تک پہنچ سکیں، آخرت کی زندگی لوگوں کی منتظر ہے۔

خدا کے بندوں اور ان کی سرزمین کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہئے۔ بہائم اور زمین کے بارے میں بھی (قیامت کے دن) آپ مسئول ہوں گے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ کی اطاعت کیجئے اور اس کی معصیت و نافرمانی سے بچئے۔ اگر آپ کار خیر دیکھیں تو اسے اختیار کریں اور اگر شر دیکھیں تو اسے چھوڑ دیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ	اور (اس وقت کو) یاد کرو، جب تم زمین
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ	(مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ	اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا

فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (الانفال: ۲۶)	(نہ) لے جائیں۔ (یعنی بے جان و مال نہ کر دیں) تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ (اس کا) شکر ادا کرو۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۷)

امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص عثمان کا دعویٰ کیا۔ بات اس حد تک بڑھی کہ صفین کا خون آشام معرکہ گرم ہوگیا۔ مسلمانوں کی عسکری قوت جو کل تک اعلائے کلمۂ حق اور حدود ولایت اسلامی کی توسیع میں مصروف تھی۔ آج وہ خود ہی دست بگریباں ہوگئی اور طرفین کی تلواریں اپنی ہی اس فوجی طاقت کو تباہ کرنے لگیں جس نے قیصر و کسریٰ کی عظیم طاقتوں کا خاتمہ کر کے اسلامی اقتدار کا پرچم لہرایا تھا۔ تحکیم پر صفین کا معرکہ تو ختم ہوگیا مگر دلوں کے غبار صاف نہ ہوئے۔ اسی سیاسی اختلاف کے نتیجہ میں دو مذہبی فرقے شیعہ اور خوارج وجود میں آئے۔

تحکیم (ثالثی) سے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ تو رک گئی مگر اختلاف کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو امیر المومنین کہلانا شروع کر دیا۔ شامیوں کی قوت مستحکم ہونے لگی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی عراقیوں کے درمیان کشمکش اور اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی۔ حالت یہ ہوگئی تھی:۔

و اميرهم على ابن ابى طالب خير اهل الارض فى ذلك الزمان و اعبدهم و ازهدهم واعلمهم واخشهم لله عزوجل ومع هذا كله خذلوه وتخلوا عنه حتى كره الحيوه وتمنى الموت وذلك	ان کے امیر علی ابن ابی طالب اس دور میں روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سب سے اعلیٰ و افضل انسان تھے۔ سب سے زیادہ اللہ کے عبادت گزار اور سب سے زیادہ دنیا سے بے غرض اور بے رغبت، سب سے زیادہ علم و فضل کے حامل، سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے

لكثرة الفتن و ظهور المحن وكان يكثر ان يقول ما يحبس انتقاها اى ما ينتظر ماله لا يقتال ثم يقول وانه لتخضبن هذه فيشير الى لحيته من هذه ويشير الى هامته۔
(البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۳۲۸)

والے انسان تھے پھر لوگوں نے ان کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا--- ان سے کنارہ کش ہو گئے--- یہاں تک کہ خود امیر المومنین اپنی زندگی سے اکتا گئے--- اور موت کی تمنا کرنے لگے۔ کہتے تھے یہ--- (اپنی ریش مبارک کی طرف اشارہ کر کے) اس (اپنے سر کی طرف اشارہ کر کے)--- خون سے رنگ دیئے جائیں گے اور بالآخر یہی ہوا۔

ابن ملجم کے ہاتھوں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ شدید زخمی ہوئے اور امید حیات باقی نہ رہی تو حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی۔

"اے عبد المطلب کے فرزندو! مسلمانوں کے بے تکلف خون نہ بہانا، تم کہو گے امیر المومنین قتل کر دیئے گئے۔ مگر خبردار سوائے میرے قاتل کے کسی اور کو قتل نہ کرنا۔ دیکھو اگر میں اس کے وار سے مر جاتا ہوں تو اس پر بھی ایک ہی وار کرنا۔ اس کا مثلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ خبردار! کسی ذی روح کو مار کر اس کا مثلہ نہ کیا جائے۔ خواہ وہ بھونکنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔"

(البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۳۲۸)

جندب ابن عبد اللہ نے کہا:

یا امیر المومنین ان مت نبایع الحسن؟

اے امیر المومنین اگر آپ انتقال فرما گئے تو کیا ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں۔

جواب دیا:

لا آمركم ولا انهاكم انتم ابصروا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۲۸)

نہ تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں تم خود ہی غور و خوض کرو۔

ایک دوسری روایت میں ہے، لوگوں نے کہا:

یا امیر المومنین الا تستخلف؟

کیا آپ اپنا خلیفہ نامزد نہ کریں گے۔

جواب دیا:

لا ولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ قالوا فما تقول لربک اذ لقیتہ وقد ترکتنا ھملا قال اقول استخلفتنی فیھم ما بدالک ثم قبضنی و ترکتک فیھم فان شئت اصلحتھم و ان شئت افسدتھم۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۳۲۴)

نہیں، میں یہ کام تم پر چھوڑتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ لوگوں نے کہا۔ جب آپ خدا کے پاس جائیں گے کیا جواب دیں گے جبکہ آپ نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا۔ فرمایا میں کہوں گا الٰہی تو نے مجھے ان کا خلیفہ بنایا جب تک تُو نے چاہا، پھر تم نے مجھے موت دے دی اور میں نے تیری ذات کو ان میں چھوڑا۔ پس اگر تُو چاہے تو ان کی اصلاح کر اور اگر چاہے تو انہیں برباد کر دے۔

بیعت حسن رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبوضہ علاقہ کے علاوہ سارے عالم اسلام کی نگاہِ انتخاب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر پڑی جو ہر لحاظ سے حکومتِ الٰہیہ کی سربراہی اور منصب خلافت کے اہل تھے۔ شہادت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے دن جب آپ جامع کوفہ میں داخل ہوئے تو ایک بڑی جمعیت نے آپ کو منصب خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا---- سب سے پہلے قیس بن سعد نے یہ کہہ کر بیعت کی۔

"اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے خدائے عزوجل کی کتاب اور اس کے

نبی کی سنت اور مفسدوں سے جنگ کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا:

"خدا کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر کھو یہی سب شرطوں کو شامل ہے۔" (تاریخ طبری ج ۴، ص ۱۲۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عرصہ دراز سے پوری اسلامی حکومت کے سربراہ بننا چاہتے تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اس خواہش کی تکمیل ناممکن تھی۔ جب آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کا علم ہوا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نرم خوئی اور صلح پسندانہ خو کو مدنظر رکھتے ہوئے فوجی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

عبداللہ بن عامر بن کریز کی سرکردگی میں ایک مسلح لشکر عراق کی جانب روانہ کر دیا۔ جو "انبار" ہوتا ہوا "مدائن" کی طرف بڑھا۔ ادھر قیس بن سعد اور دیگر عراقیوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنگ کی تیاری کے لئے ابھارنا چاہا مگر آپ سابقہ جنگوں کے تلخ تجربات کی بناء پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے۔ جب اہل شام کی پیش کش اور ہوا خواہوں کا اصرار دیکھا تو آمادہ ہو گئے اور قیس بن سعد کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ اہل شام سے قتال کے لئے بھیجا۔ خود بھی فوج کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوئے۔ مدائن کے پاس اقامت گزیں ہوئے۔

عراقی فوج میں شور و غوغا بلند ہوا کہ قیس بن سعد قتل ہو گئے، لوگ بھاگنے لگے اور ایک دوسرے کا سامان لوٹنے لگے یہاں تک کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خیمہ اکھاڑ دیا گیا۔ جس فرش پر آپ بیٹھے تھے، اسے بھی کھینچا جانے لگا۔ اس طوفان بدتمیزی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوئے اور میدان سے اٹھ کر قصر مدائن میں تشریف لے گئے۔

علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں:

"اہلِ عراق نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا انتخاب اس نیت سے کیا تھا کہ وہ اہلِ شام سے جنگ کریں گے لیکن ان کا مقصد پورا نہیں ہوا

جس کے ذمہ دار خود اہلِ عراق تھے کیونکہ وہ خود جنگ سے پہلو تہی کرتے تھے اور اپنے قائدین کی باتیں مانتے نہ تھے۔ اگر وہ عقل و شعور رکھتے تو اس نعمت خداوندی کی قدر کرتے جو انہیں سبط رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ایک عظیم صحابی اور صحابہ میں بھی عالم فرزانہ صاحب عزیمت شخصیت کی بیعت سے حاصل ہوئی تھی۔" (البدایہ ج ۸، ص ۱۶)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب ہوا کا رخ بدلا ہوا دیکھا، اپنے حامیوں کی بزدلی و انتشار اور شامیوں کے لشکر کی تیز رفتار پیش قدمی دیکھی تو آپ ناسازگاری روزگار کے باعث مایوس ہو گئے۔ امور خلافت سے بیزار ہو کر آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابن ابی سفیان کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں صلح کی تجویز پیش کی گئی تھی اور چند شرطوں کے ساتھ امور خلافت سے دست برداری کا اظہار فرمایا گیا تھا۔

دوسری جانب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک سادہ کاغذ پر مہر لگا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا کہ وہ جو شرطیں چاہیں تحریر کر دیں۔ میں انہیں تسلیم کر لوں گا آپ میرے حق میں خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا زخم مندمل ہو چکا تھا، وہ کوفہ پہنچے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کوفہ آ گئے۔ دونوں نے باہم صلح کر لی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امت کو خونریزی سے بچانے کے لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری کر لی۔ شرائط صلح یہ تھے:

فاشترط ان یاخذ من بیت المال الکوفہ خمسہ آلاف درھما وان یکون خراج دار الجرد لہ وان لا یسب علی وھو یسمع۔
(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴)

پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کہ وہ کوفہ کے بیت المال میں جمع پچاس ہزار درہم لے لیں گے اور دارالجرد کا خراج ان کے لئے مخصوص ہو گا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے روبرو گالیاں نہ دی جائیں۔

صلح کے شرائط پر طرفین کا اتفاق ہو جانے کے بعد حضرت امیر معاویہ کی خواہش

پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر فرمائی:

اما بعد، لوگو! خدا نے ہم میں سے پہلے شخص کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور ہم میں سے آخر شخص کے ذریعے سے تم کو کشت و خون سے بچالیا۔ اور سنو! اس حکومت کی ایک مدت و میعاد ہے اور دنیا دست بدست پھرا کرتی ہے اور حق تعالیٰ اپنے نبی سے فرما چکا ہے۔

وان ادری لعله فتنه لکم و متاع الی حین۔	کیا معلوم کہ وہ (حکومت) تمہاری آزمائش دن کی آسائش۔

(تاریخ طبری، ج ۴، ص ۱۲۵)

اس صلح کے بعد خلافت راشدہ کے دور کا خاتمہ ہو گیا اور ملوکیت کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی۔

عن سفینه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الخلافه بعدی ثلثون ثم تکون ملکا۔ (البدایہ، ج ۸، ص ۱۶)	حضرت سفینہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی --- پھر بادشاہت قائم ہو جائے گی۔

اسلام میں اس عظیم صلح کے بعد رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی جو تقریباً چالیس سال قبل حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمائی گئی:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صعد المنبر یوما وجلس الحسن بن علی الی جانبه فجعل ینظر الی الناس مره و الیه اخری ثم قال ایها الناس ان ابنی هذا سید و سیصلح الله به بین فئتین	ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ سرکار کبھی لوگوں کی جانب نگاہ کرتے اور کبھی حسن کو دیکھتے۔ پھر ارشاد فرمایا: اے لوگو! بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے---- عنقریب اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ذریعہ

عظیمتین من المسلمین۔	مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے
رواہ البخاری۔	درمیان صلح کرائے گا۔

(البدایہ، ج۸، ص۱۶)

یزید کی ولی عہدی

دمشق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حاضر ہیں۔ انہوں نے امیرالمومنین سے ناطاقتی کی بناء پر کوفہ کی گورنری سے سبکدوشی کی خواہش ظاہر کی، درخواست قبول کر لی گئی اور مغیرہ بن شعبہ کی جگہ سعید ابن عاص کو کوفہ کا گورنر نامزد کر دیا گیا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے حاشیہ نشینوں نے طعنہ دیا۔ تمہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنری سے برخاست کر دیا ہے۔ اس جملہ سے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے دل پر ایسی چوٹ لگی جس کی خلش وہ برداشت نہ کر سکے اور بحالی کی تدبیر سوچنے لگے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اسی دوران یزید بن معاویہ کے پاس پہنچے اور کہا: "تم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی ولی عہدی کی بیعت لینے کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے، وقت مناسب ہے۔ اجل صحابہ اور سردارانِ قریش انتقال کر چکے ہیں، اب ان کی اولاد باقی ہے اور تم حکمت عملی اور سیاست میں افضل ہو۔ میرے نزدیک امیرالمومنین کو تمہاری ولی عہدی کی بیعت لینے سے کوئی امر مانع نہ ہو گا۔"

یزید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور اپنی ولی عہدی پر بیعت لینے کی درخواست پیش کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ یہ رائے تم کو کس نے دی ہے؟ یزید نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا ---- مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ قصر امارت میں طلب کیے گئے۔ تخلیہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ولی عہدی یزید کے باب میں مشورہ طلب کیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا امیرالمومنین آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت مسلمہ میں کس قدر اختلافات اور خوں ریزیاں ہوئی ہیں۔ یزید آپ کا لڑکا ہے۔ آپ لوگوں سے اس کی ولی عہدی کی بیعت لیجئے۔ آپ کے بعد یزید مسلمانوں کا ماویٰ و ملجا ہوگا اور اس میں کوئی فتنہ و فساد نہ ہوگا۔ میں اس کام کی انجام دہی کے لئے کوفہ میں کافی ہوں اور زیاد بصرہ میں، ان دونوں شہروں کے بعد کوئی ایسا شہر نہیں ہے جو آپ کے حکم کی مخالفت کرے۔

اس رائے کو سننے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امارتِ کوفہ کی سند بحالی عطا کی اور دوبارہ کوفہ بھیج دیا۔ حکم دیا کہ یزید کی ولی عہدی کی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ حضرت مغیرہ نے کوفہ میں یزید کی ولی عہدی کے لئے فضا ہموار کرلی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے گورنر زیاد سے ولی عہدی یزید کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ حالات کے نشیب و فراز سے واقف دوراندیش زیاد نے عبید بن کعب نمیری کو بلا کر کہا:

> ”امیرالمومنین نے مجھے یہ خط لکھا ہے اور یزید کی ولی عہدی کی بابت مشورہ طلب کیا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے تنفر سے خائف ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اس امر میں ان کی اطاعت کریں۔ لیکن مسلمانوں کا اس امر پر راضی ہونا ایک امر اہم ہے۔ یزید میں آوارگی، بیہودگی، بددیانتی، نااہلی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم امیرالمومنین سے جا کر ملو اور یزید کے افعال سے مطلع کرو اور صاف صاف کہہ دو کہ یہ کام دشوار ہے اور اگر آپ اس کو انجام ہی دینا چاہتے ہیں تو عجلت نہ کیجئے۔“ (ابن خلدون، ج ۵، ص ۳۸)

عبید ابن کعب نمیری نے زیاد کی رائے میں کچھ تخفیف کی اور دمشق جا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید سے ملا۔ اس نے عجلت میں معاملہ و مقصد کے فوت ہو جانے سے آگاہ کیا اس طرح وقتی طور پر یہ مہم سرد پڑ گئی۔

زیاد کے تامل اور تاخیر کے مشورہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ابھی اسلام میں قیصر و کسریٰ کی موروثی روایت کا داخل کرنا آسان

بات نہیں۔ امت اسلام اس کڑوے اور تلخ گھونٹ کو آسانی کے ساتھ گلے سے نہ اتار سکے گی۔ جبکہ خلافت راشدہ کے نقوش روشن ہیں اور اب بھی اسلامی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی خلافت پر عرب و عجم متفق ہو سکتے ہیں اور ان کے اندر صلاح و تقویٰ کے ساتھ اسلامی نظم حکمرانی کی تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں۔

شفقت پدری ان ساری دشواریوں کے باوجود غالب آئی۔ جب زیاد دنیا سے رخصت ہو گیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۵ھ میں یزید کی ولی عہدی کا مصمم ارادہ کر لیا اور بڑے پیمانہ پر بیعت یزید کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک ہزار درہم بطور نذر بھیجے گئے۔ انہوں نے قبول کر لیا تو ان سے ولی عہدی یزید کا تذکرہ کیا گیا۔ ابن عمر نے ارشاد فرمایا:

> "میں اپنے دین کو دنیا کے عوض نہ بیچوں گا۔ کیا معاویہ نے ایک ہزار درہم پر میرے دین کے خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کہہ کر درہم واپس کر دیئے۔" (ابن خلدون، ج ۵، ص ۴۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہوا خواہوں اور اموی عمال نے سارے بلاد و امصار میں یزید کی بیعت کا کام شد و مد کے ساتھ جاری رکھا اور انہیں اس باب میں کامیابی حاصل ہوئی۔

فشرع معاویہ فی ذلک وادعاء الیہ و عقد البیعت لولدہ یزید و کتب الی الافاق بذلک فبایع لہ الناس فی سائر الاقالیم الا عبدالرحمن بن ابی بکر و عبداللہ بن عمر والحسین بن علی و عبداللہ بن زبیر و ابن عباس۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۷۹)

۵۵ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کام (ولی عہدی یزید) کو شروع کیا اور اس کی دعوت دی اور اپنے بیٹے یزید کی بیعت لی۔ انہوں نے اس امر کو بلاد و امصار میں لکھ بھیجا۔ تو تمام بلاد و امصار میں لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ صرف عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر، حسین ابن علی اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے۔

امیر معاویہ کا سفر حرمین

تمام بلاد و امصار میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت ہو جانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ امر باعثِ تشویش تھا کہ اہلِ حجاز نے ابھی بیعت نہیں کی تھی جبکہ وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا مرکز ارادت ہے۔ اور ان مقدس شہروں میں ملت اسلامیہ کے برگزیدہ مقتدر حضرات موجود ہیں۔ ان کی بیعت یزید کی جانشینی کی ضمانت ہوگی--- چنانچہ اب ایک ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کا رُخ کیا تاکہ حسین ابن علی، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم جیسی مرجع انام شخصیتوں سے بیعت لے لی جائے تاکہ مستقبل میں یزید کی حکومت کے لئے پیش آنے والے امکانی خطرات کا انسداد ہو سکے۔

جب حضرت حسین، ابن عمر، ابن زبیر اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم کو امیر معاویہ کے مدینہ آنے کی اطلاع ملی، انہوں نے اس خیال سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی بات نہ مانیں گے اور ولی عہدی یزید کی بیعت پر مجبور کریں گے، خاموشی کے ساتھ مکہ چلے گئے تاکہ جوار حرم میں امن و سلامتی کے ساتھ سکونت گزیں ہو جائیں--- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا:

> "کوئی شخص اس (یزید) سے زیادہ مستحق خلافت نہیں ہے۔ یہ سبھوں سے عقل اور فضل اور سیاست میں افضل ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی شخص ان امور میں اس کی برابری نہیں کر سکتا۔" (ابن خلدون، ج ۵، ص ۴۲)

مجمع پر سکوت طاری تھا، کسی نے کچھ نہ کہا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ ام المومنین کو چاروں اصحاب کے مکہ جانے کا علم ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نے سنا ہے تم نے ان کو قتل کی دھمکی دی ہے؟

جواب دیا--- ام المومنین وہ لوگ مجھے یزید سے زیادہ عزیز ہیں لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس بیعت کو ناقص کروں جو یزید کی ولی عہدی پر لی گئی ہے اور پوری

ہو گئی ہے۔ ام المومنین اس جواب کے بعد خاموش رہیں۔ (ابن خلدون، ج ۵، ص ۴۲)

چند روز مدینہ میں قیام کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے جب وہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے، لوگ ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ چاروں اصحاب نے سوچا ممکن ہے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف میں تبدیلی آگئی ہو۔ وہ بھی ملاقات کے لئے گئے۔ ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا گیا اور ہر روز انہیں تحائف و ہدایا سے نوازا جانے لگا۔ کسی دن ان لوگوں میں سے ایک نے کہا:

"امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ عنایتیں صلۂ رحمی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ ہمیں یزید کی ولی عہدی کے باب میں رخنہ اندازی و انکار سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ وقت آنے سے پہلے جواب سوچ لیا جائے۔ بالاتفاق سب نے ابن زبیر کو جواب کے لئے منتخب کر لیا۔" (ابن خلدون، ج ۵، ص ۴۲)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن ان بزرگوں کو جمع کر کے کہا:

"تم لوگ میری عادت سے واقف ہو، میں تمہارے ساتھ عزیزانہ رسم و راہ رکھتا ہوں۔ یزید تمہارا بھائی اور تمہارے چچا کا لڑکا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تم میرے بعد اس کو خلافت کے لئے نامزد کرو۔ چہ جائیکہ تمہیں لوگ اسے معزول کرتے ہو۔" (ایضاً، ص ۴۳)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات ختم کر کے ابن زبیر سے کہا ھات لعمری انک خطیبھم۔ "میری زندگی کی قسم آؤ تم ان کے خطیب ہو۔"

ابن زبیر اٹھے اور کہا کہ ہم تم کو ان تین امور سے ایک کے اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(ا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا اور کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئے اور ان کو اپنا امیر بنا لیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم میں کوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا نہیں ہے اور مجھے اختلاف امت کا اندیشہ ہے۔

(۲) جیسا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا، تم بھی ویسا ہی کرو۔ انہوں نے قریش سے ایک شخص کو جو نسباً ان سے بعید تھا اور ان کے خاندان سے نہ تھا، اس کو اپنے بعد خلیفہ بنایا۔

اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔

(۳) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پیروی کرو، انہوں نے اپنے بعد چھ افراد کو اہلِ شوریٰ قرار دے کر انہیں کو انتخابِ خلیفہ کا اختیار دے دیا اور ان میں نہ کوئی ان کا لڑکا تھا اور نہ خاندان کا فرد۔۔۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا اس کے سوا بھی کچھ کہو گے۔ (ایضاً، ص ۴۳)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا:

"میں نہیں چاہتا کہ امت محمد ﷺ کو اپنے بعد اس طرح چھوڑ جاؤں جس طرح گائے بکری کا ریوڑ، جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔" (طبری، ج ۴، ص ۱۳۶)

حضرت امیر معاویہ نے پُرجوش انداز میں کہا:

"میں یزید کو ولی عہد ضرور بناؤں گا۔ اللہ کی قسم! کسی نے میری بات نہ مانی تو خیر نہ ہو گی۔ یہ کہہ کر اپنے صاحبِ شرطہ کو طلب کیا اور حکم دیا: جو شخص میرے بیان کی تکذیب کرے اس کی گردن فوراً اڑا دینا۔"

(ابن خلدون، ج ۵، ص ۴۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

"لوگو! ابن علی، ابن عمر، ابن ابی بکر اور ابن زبیر مسلمانوں کے رُوحانی پیشوا اور ان میں بہترین لوگ ہیں، کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ یہ لوگ یزید کی ولی عہدی پر راضی ہو گئے ہیں اور بیعت کر لی ہے۔ آؤ تم لوگ بھی اللہ کا نام لے کر بیعت کر لو۔" (ابن خلدون، ج ۵، ص ۴۴)

اہلِ مکہ کو انہیں بزرگوں کی بیعت کا انتظار تھا، اس لئے تمام لوگوں نے یزید کی ولی عہدی پر بیعت کر لی۔

ثم خطب معاویہ و ھولاء حضور تحت منبر و بایع الناس لیزید و ھم قعود ولم یوافقوا ولم یظھروا خلافا لما تھددھم و توعدھم البیعہ لیزید فی سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۸۰)

پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور یہ (چاروں اصحاب) منبر کے پاس موجود تھے۔ لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی اور یہ لوگ بیٹھے رہے نہ تو موافقت ظاہر کی اور نہ ہی اختلاف کیا۔ اس وجہ سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پہلے ہی ڈرا دھمکا دیا تھا۔ پس تمام ممالک میں یزید کی بیعت عام ہونے لگی اور یزید کے پاس تمام ملکوں سے وفد آنے لگے۔

اس طرح اسلام میں موروثی امارت کی داغ بیل ڈال دی گئی جسے اسلامی نظام خلافت بیخ و بُن سے ختم کر چکا تھا۔

حضرت امیر معاویہ کی وفات اور یزید کو وصیت

رجب ۶۰ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق میں انتقال فرمایا۔ انتقال سے پہلے اپنے ولی عہد یزید کو وصیت فرماتے ہوئے کہا:

یا بنی انی قد کفیتک الرحلہ والترحال و وطات لک الاشیاء وذللت لک الاعداء واخضعت لک اعناق العرب و جمعت لک من جمع واحد و انی لا اتخوف ان ینازعک ھذا الامر الذی استتب لک الا اربعہ نفر من قریش

بیٹا! میں نے تجھے سفر کی زحمت سے بچا لیا اور تیرے لئے ہر امر کو سہل کر دیا۔ تیرے دشمنوں کو رام کر دیا۔ تیرے لئے عرب کی گردنوں کو جھکا دیا۔ (تیرے لئے میں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا ہوگا) مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے امر خلافت جو تیرے لئے مقرر ہو چکا ہے قریش میں ان چار شخصوں کے سوا کوئی تجھ سے

الحسين ابن علي و عبدالله ابن عمر و عبدالله ابن زبير و عبدالرحمن ابن ابي بكر فاما عبدالله ابن عمر فرجل قد وقذته العباده اذا لم يبق احد غيره بايعك و اما الحسين ابن علي فان اهل العراق لن يدعوه حتى يخرجوه فان خرج عليك فظفرت به فاصفح عنه بانه رحما ماسة و حقا عظيما واما ابن ابي بكر فرجل ان را اصحابه صنعوا شيئا صنع مثلهم ليس له همه الا في النساء واللهو واما الذي يجثم لك جثوم الاسد ويراوغك مراوغه الثعلب فاذا امكنته فرصه وثب فذاك ابن الزبير فان هو فعلها بك فقدرت عليه فقطعه اربا اربا۔

(تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۳۸)

اس بارے میں نزاع نہ کرے گا۔ حسین ابن علی، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر۔ لیکن ابن عمر تو ان کو عبادت کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں ہے، جب ان کے سوا کوئی بیعت کرنے والا باقی نہ بچے گا تو وہ بھی تیری بیعت کر لیں گے، اور حسین ابن علی ایک سیدھی سادی طبیعت کے مالک ہیں مگر عراقی انہیں خروج پر آمادہ کر لیں گے۔ پس اگر یہ خروج کریں اور تمہیں کامیابی حاصل ہو تو درگزر سے کام لینا، ان کا بہت بڑا حق ہے۔ (وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے ہیں) اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کی کوئی ذاتی رائے نہیں۔ ان کے احباب جو کریں گے وہ بھی کریں گے اور ان کی جرأت وہمت عورتوں سے اختلاط میں ہے۔ ہاں جو شخص تم پر شیر کی طرح حملہ کرے گا اور لومڑی کی طرح چالاک ہے جب کبھی اس کو موقع ملے گا ضرور حملہ آور ہو گا، وہ ابن زبیر ہے۔ اگر وہ ایسا کرے اور تم کو اس پر غلبہ حاصل ہو جائے گا تو اس کو بے دست و پا کر دینا۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

والصحيح ان عبدالرحمن كان قد يوفي قبل موت

اور صحیح یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر حضرت امیر معاویہ کی موت سے دو سال

معاویہ بسنتین- قبل وفات پاچکے تھے۔

(البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۱۱۵)

یزید کا عہد امارت اور اہلِ حق کی آزمائش

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد دمشق کے تخت پر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ متمکن ہوا۔ جس کی امارت و قیادت کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں خیار امت کی مخالفتوں کے باوجود بیعت لے لی تھی اور اسلامی حدود ولایت کے نشیب و فراز یزیدی حکومت کے لئے درست کردیئے تھے۔ اس طرح اسلام میں پہلی بار ایک نااہل، ناخدا ترس، فاجر کے ہاتھوں اقتدار کی باگ ڈور آگئی جس نے ہمیشہ کے لئے اسلامی نظم مملکت کے شیرازے منتشر کردیئے۔ ہلاکت و بربادی امت مسلمہ کا مقدر بن گئی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی صاحبِ اقتدار امیر کے بارے میں فرمایا تھا:

> ”رب کعبہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ عرب کب ہلاک ہوں گے جب ان کی قیادت وہ شخص کرے گا جس نے جاہلیت کا زمانہ نہیں دیکھا اور اسلام میں بھی اسے رسوخ و خصوصیت حاصل نہیں۔“ (البدایہ والنہایہ، ج۸، ص ۲۳۲)

یزید نے تخت نشینی کے فوراً بعد حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما، عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت لینے کا فیصلہ کیا۔ اسے شام اور عراق کے لوگوں پر مکمل اعتماد تھا مگر اہلِ حجاز کی مخالفت سے اندیشہ محسوس کرتا تھا کہ کہیں حجاز میں مقیم عالمِ اسلام کی مقتدر ہستیاں، انھوں نے اس کی بیعت نہیں کی ہے، اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں اور اس طرح اس کی امارت و سیادت مخالفتوں سے دوچار ہو جائے۔ چنانچہ اس نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو ایک خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم!
من یزید امیر المومنین الی
الولید ابن عتبہ اما بعد فان
معاویہ کان عبدا من عباد
اللہ اکرمہ اللہ واستخلفہ و
خولہ و مکن لہ فعاش بقدر و
مات باجل فرحمہ اللہ فقد
عاش محمودا و مات براتقیا۔
وکتب الیہ فی صحیفہ کانھا
اذن الفارہ۔ اما بعد فخذ
حسینا و عبد اللہ ابن عمر و
عبد اللہ ابن زبیرا بالبیعہ
اخذا شدیدا لیست فیہ
رخصہ حتی یبایعوا والسلام۔
(البدایہ، ج ۸، ص ۱۴۶-۱۴۷،
تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۵۰)

باسمہ تعالیٰ، امیرالمومنین یزید کی جانب
سے ولید بن عتبہ کے نام، اما بعد بلاشبہ
معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ کے بندے تھے،
اللہ نے انہیں عزت بخشی اور انہیں
خلافت دی اور روئے زمین کا مالک بنایا۔ تو
انہوں نے مقرر میعاد تک زندگی گزاری
اور مقررہ وقت پر انتقال فرمایا۔ اللہ ان پر
رحم کرے۔ انہوں نے اچھی زندگی گزاری
اور نیک و متقی بن کر وفات پائی۔ یزید نے
ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر جو چوہے کے
کان کے مثل تھا، یہ تحریر علیحدہ لکھ دی۔
امابعد! تم حسین، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ
ابن زبیر سے بیعت لے لو، اس امر میں کوئی
گنجائش نہیں حتیٰ کہ وہ بیعت کریں۔
والسلام۔

والی مدینہ کو جب یزید کا حکم ملا تو اس نے معاملہ کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مروان بن حکم کو مشورہ کے لئے طلب کیا۔ صورت حال سے آگاہ کیا۔ مروان نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ اسی وقت ان لوگوں کو طلب کرو اور ان سے یزید کی بیعت لو اور اطاعت کا اقرار لو۔ مان جائیں تو بہتر ہے، انکار کریں تو سب کی گردن مار دو۔ ان کو معاویہ کے انتقال کی خبر نہ ہو۔ (تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۵۰، ابن خلدون، ج ۵، ص ۶۱)

اسی وقت دارالامارت سے طلبی کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ دارالامارت مدینہ میں

ولید بن عتبہ کا فرستادہ بے وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس طلبی کا پیغام لے کر پہنچا۔ امام حسین نے سمجھ لیا کہ کوئی اہم بات ہو گئی ہے۔ شاید انہیں کسی ناقابلِ قبول بات کے لئے مجبور کیا جائے۔ گھر آئے، غلاموں اور بہی خواہوں کو ساتھ لیا، دارالامارت کے دروازے پر روک کر کہا: "تم لوگ یہیں رہو۔" اگر اندر سے شور و غوغا بلند ہوا یا میں تمہیں پکاروں تو فوراً اندر آجانا۔ جب تک میں باہر نہ آجاؤں تم یہیں رہنا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، ولید کے پاس مروان موجود تھا۔ آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ ولید بن عتبہ نے یزید کا خط پڑھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر دی اور بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون○ پڑھا اور کہا: خدا معاویہ پر رحم کرے۔ پھر کہا:

ان مثلی لا یبایع سرا وما اراک تجترمنی بھذا ولکن اذا اجتمع الناس دعوتنا معھم فکان امرا واحدا۔

(البدایہ، ج ۸، ص ۱۴۷)

مجھ جیسا شخص پوشیدہ طور پر بیعت نہیں کرتا۔ کیا بات ہے کہ تم مجھ کو اس پر مجبور کرتے ہو لیکن جب لوگ اکٹھا ہو جائیں تو تم ہم کو بھی ان کے ساتھ بلاؤ، تو یہ کوئی بات ہو گی۔

ولید نے جانے کی اجازت دے دی --- مروان نے ولید کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

واللہ لان فارقک ولم یبایع الساعہ لیکثرن القتل بینکم و بینہ فاحبسہ ولا تخرجہ حتی یبایع الا ضربت عنقہ۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴۷)

خدا کی قسم اگر یہ اس وقت تجھ سے جدا ہو گئے تو تمہارے اور اس کے درمیان قتل و خونریزی زیادہ ہو گی۔ اس لئے اس کو قید کر لو اور اس کو جانے نہ دو یہاں تک بیعت کر لے ورنہ اس کی گردن مار دو۔

مروان کی اس دریدہ دہنی پر حضرت حسین نے ارشاد فرمایا:

یا ابن الزرقاء انت تقتلنی؟	اے ابن زرقاء کیا تو مجھے قتل کرے گا
کذبت واللہ واثمت۔	تُو جھوٹا ہے بخدا تُو نے گناہ کیا۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴۷)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ دارالامارت سے باہر نکلے تو مروان نے ولید کی جانب خطاب کرتے ہوئے کہا:

واللہ ماتراہ بعدھا ابدا۔	خدا کی قسم! اس کے بعد تو حسین (رضی اللہ عنہ) کو کبھی نہیں دیکھے گا۔

ولید نے مروان کو جواب دیتے ہوئے کہا:

واللہ یا مروان ما احب ان لی الدنیا وما فیھا وانی قتلت الحسین سبحن اللہ اقتل حسینا ان قال لا ابایع واللہ انی لاظن ان من یقتل الحسین یکون خفیفہ المیزان یوم القیمہ۔	خدا کی قسم، اے مروان! میں حسین کے قتل کے عوض دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو لینا پسند نہ کروں گا۔ سبحان اللہ! میں حسین (رضی اللہ عنہ) کو اس بات پر قتل کروں کہ وہ بیعت یزید سے انکار کرتے ہیں۔ بخدا میں گمان کرتا ہوں کہ جو شخص حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرے گا وہ یقیناً قیامت کے دن خفیف المیزان ہو گا۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴۷)

مدینہ سے روانگی

دارالامارت سے واپسی کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ وہ یزید کی بیعت کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کی خلافت کی بیعت کر کے قیصریت کی روایت پر مہر تصدیق ثبت کرنا ان کے حق پرست ضمیر کے خلاف تھا۔ ساتھ ہی عامتہ الناس کے فیصلہ کے خلاف طرز عمل سے امت میں قتل و خونریزی کا بازار گرم کرنا

مناسب نہ سمجھتے تھے۔

دوبارہ مطالبہ بیعت کیا گیا تو حضرت امام رضی اللہ عنہ نے ایک روز کی مہلت لی مگر کسی فیصلہ پر نہ پہنچنے کے باعث مدینہ طیبہ سے اپنے اہل و عیال، بھائی، بھتیجوں کے ساتھ عازمِ سفر ہوئے کہ وہ امیر مدینہ کی طرف سے مطالبہ بیعت کی سختی اور انکار کے نتیجہ میں حرم نبوی کو کشت و خون کی آماجگاہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر منزل کا تعین اور سمت سفر کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ محمد بن حنفیہ نے حضرت امام سے دورانِ گفتگو فرمایا:

"بھائی جان تمام خلق میں آپ سے بڑھ کر کسی کو میں عزیز نہیں رکھتا۔ کلمۂ خیر خواہی آپ سے بڑھ کر کسی کے لئے میرے منہ سے نہیں نکلے گا۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ اور تمام شہروں سے الگ رہئے۔ اپنے دعاۃ اور قاصد لوگوں کے پاس بھیجئے کہ وہ آپ سے بیعت کریں اگر لوگ آپ سے بیعت کرلیں تو خدا کا شکر بجالائیے۔ اگر عام مسلمان کسی دوسرے کی بیعت پر متفق ہو جائیں تو اس میں آپ کے دین و عقل، مروت و فضل کو خدا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ شہروں میں سے کسی شہر میں لوگوں کی کسی جماعت میں آپ کے جانے سے مجھے یہ خوف ہے کہ ان میں اختلاف پیدا ہو۔ ایک جماعت آپ کی حامی اور دوسری مخالف۔ پھر جب قتل و خونریزی کی نوبت آئے تو سب سے پہلے نیزوں کا رخ آپ کی جانب ہو اور آپ جیسا شخص جو ذاتی شرافت اور خاندانی بزرگی میں خیرامم ہے، بہت آسانی کے ساتھ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور جملہ اہل و عیال تباہی کا نشانہ بنیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پرخلوص مشورہ کو سن کر فرمایا: تم بتاؤ پھر میں کہاں جاؤں؟ محمد بن حنفیہ نے جواب دیا:

"آپ حرم الٰہی مکہ کا رخ کیجئے، اگر وہاں اطمینان حاصل ہو جائے فبہا ورنہ تشویش ناک صورت ہو تو وہاں سے ریگستانوں اور کوہستانوں کی طرف

نکل جایئے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہئے اور دیکھئے حالات کس کروٹ قرار پاتے ہیں۔" (تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۵۳)

رجب ۶۰ھ کی وہ رات کتنی جاں گسل اور صبر آزما تھی جب حسین رضی اللہ عنہ مدینۃ الرسول کو خیرباد کہہ رہے تھے۔ بھیگی ہوئی پلکوں کے ساتھ نانا جان کے جوارِ رحمت سے جُدا ہو رہے تھے مگر حالات کی نزاکت نے مدینہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے، راستہ میں عبداللہ بن مطیع ملے، انہوں نے دریافت کیا:

"حسین میں آپ پر قربان ہوں کدھر کا ارادہ ہے؟ فرمایا: فی الحال مکہ جا رہا ہوں۔ عبداللہ نے کہا: کوئی حرج نہیں۔ مگر خدا کے لئے کوفہ کا قصد نہ کیجئے گا۔ وہ منحوس شہر ہے وہاں آپ کے والد شہید کئے گئے، آپ کے بھائی بے یارومددگار چھوڑے گئے، نیزے سے زخمی ہوئے، جان بدقت تمام بچی۔ آپ حرم میں بیٹھ جائیں، آپ عرب کے سردار ہیں، حجازی آپ کے مقابلہ میں کسی کو نہ مانیں گے۔ حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیجئے۔" (تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۶۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچ کر شعب ابی طالب میں فروکش ہوئے۔ اہلِ مکّہ اور گرد و نواح کے ارادت مندوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ہوئی۔ جوق در جوق بارگاہ امامت میں حاضر ہونے لگے۔ اسی دوران اہلِ کوفہ کے خطوط کا انبار لگ گیا اور ان کے وفود نے آکر کوفہ چلنے اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کی دعوت دی۔ یقین دلایا کہ ہماری گردنیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفیوں کا اشتیاق اور وفاداریوں کی یقین دہانی دیکھی تو فرمایا: میں تمہاری محبت کا ممنون ہوں لیکن فی الحال کوفہ کا سفر نہیں کر سکتا۔ اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیج رہا ہوں۔ حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کرتے وقت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

سرالی الکوفہ فانظر ما ، تم کوفہ کا سفر کرو اور اس امر کی تحقیق

كتبوا به الى ان كان حقا خرجنا اليهم۔ (تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۵۸)

کرو جس کے بارے میں وہ مجھے لکھتے ہیں۔ پس اگر یہ بات سچ ہے تو میں ان کی جانب سفر کروں۔

مسلم بن عقیل کی آمد کوفہ

یکم ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت مسلم بدقت تمام کوفہ میں داخل ہوئے۔ کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر خلافت حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت شروع کی۔ تقریباً بارہ ہزار افراد آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ والی کوفہ نعمان بن بشیر انصاری اپنی شرافت ذاتی اور صلح جویانہ صفات کے باعث مسلم بن عقیل کی راہ میں مزاحم نہ ہوئے۔ یزید نواز عناصر نے نعمان بن بشیر کے طرز عمل کو بزدلی پر محمول کیا اور کہا:

انك ضعيف اومستضعف قد فسد البلاد۔

تم کمزور یا بزدل ہو شہر تباہ و برباد ہو گئے۔

نعمان نے جواباً کہا:

ان اكون ضعيفا وانا في طاعه الله احب الى من ان اكون قويا في معصيه الله۔ (تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۵۸)

اگر میں کمزور رہوں اور اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ میں اللہ کی نافرمانی میں قوی رہوں۔

نعمان کا جواب سن کر عبداللہ بن مسلم، عمارہ بن ولید، عمرو بن سعد نے مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے اور لوگوں کو بیعت حسین رضی اللہ عنہ نیز نعمان کے صلح پسندانہ رویہ کی اطلاع یزید کو دی اور لکھا:

"اگر کوفہ بچانا چاہتے ہو تو کسی سخت آدمی کو کوفہ کا گورنر مقرر کرو۔"

جب یزید کو حالات کا علم ہوا تو اس نے مشورہ کے بعد عبیداللہ ابن زیاد والی بصرہ کو کوفہ کی سند ولایت تحریر کر دی اور یہ بھی لکھا کہ مسلم بن عقیل کو گرفتار کر کے قتل کر

دینا یا شہر بدر کر دینا۔

مسلم بن عقیل نے جب کوفیوں کا والہانہ پن دیکھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی ہے، آپ ضرور تشریف لائیے۔

ادھر زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اور صبح کے وقت منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا:

"اے اہلِ کوفہ! امیر المومنین نے تمہارے شہر اور احکامِ شرعی اور مالِ غنیمت اور بیت المال کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے تمہارے مظلوموں کی داد رسی، تمہارے فرماں برداروں کے ساتھ احسان کرنے اور تمہارے نافرمانوں اور باغیوں کے گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں بے شک تم میں اس کے احکام کو جاری کروں گا۔ میں تم پر تمہارے والد سے زیادہ مہربان رہوں گا لیکن جو شخص میرے حکم کی مخالفت کرے گا اس کی گردن و پشت پر میری تلوار اور درہ ہو گا۔" (ابن خلدون، ج۵، ص۷۱)

ابن زیاد نے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کی قیام گاہ اور ان کے حاشیہ نشینوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اس نے بنو تمیم کے ایک غلام معقل کو تین ہزار اشرفیاں دے کر مسلم بن عقیل کی مخبری پر متعین کیا۔ اس نے حیلہ و فن سے حضرت مسلم کی قیام گاہ معلوم کر لی اور ابن زیاد کو مطلع کر دیا، اور بتایا کہ مسلم ہانی بن عروہ کے مکان پر اقامت گزیں ہیں۔ ہانی بن عروہ قصر امارت میں طلب کیے گئے۔ ہانی جب ابن زیاد کے پاس آئے، اس نے کہا: بتاؤ! مسلم بن عقیل کہاں ہیں؟ ہانی نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ابن زیاد نے بنو تمیم کے اس غلام کو جو ہانی سے مل چکا تھا، بلایا۔ اسے دیکھتے ہی ہانی بن عروہ متحیر ہوئے اور کہا: امیر کا خدا بھلا کرے، واللہ مسلم کو میں نے اپنے گھر نہیں بلایا، وہ خود سے آئے ہیں۔ عبید اللہ ابن زیاد نے کہا: انہیں میرے پاس بلاؤ۔ ہانی نے جواب دیا: واللہ اگر وہ میرے پاؤں کے نیچے چھپے ہوتے تو میں وہاں سے قدم نہ ہٹاتا۔ ابن زیاد نے ہانی کو زد و کوب کیا اور قصر امارت کے ایک گوشہ میں قید کر دیا۔

قصرِامارت کا محاصرہ

اس واقعہ کی خبر پا کر حضرت مسلم نے ہانی کی رہائی کے لئے چار ہزار مسلح افراد کو قصرِامارت کے محاصرہ کے لئے آمادہ کر لیا۔ مشتعل افراد نے گورنر ہاؤس کو گھیر لیا۔ ہنگامہ و آشوب کی فضا دیکھ کر ابن زیاد سہم گیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور رؤسائے کوفہ کو طلب کر کے انہیں قصر کے بالاخانہ پر بھیجا کہ وہ اپنے اپنے قبیلوں کو سمجھا کر واپس کر دیں۔ چنانچہ ابن الوقت رؤسا نے اپنے خانوادوں کو وقت کی ستم ظریفی سے ڈرایا۔

کثیر بن شہاب نے اپنی تقریر میں کہا:

"لوگو! اپنے اپنے گھروں کو واپس جاؤ، شر و فساد میں جلدی نہ کرو، خود کو اپنے ہاتھوں قتل نہ کراؤ، دیکھو امیرالمومنین یزید کی فوجیں چل چکی ہیں۔ سنو! امیر نے خدا سے یہ عہد کر لیا ہے کہ اگر تم اس سے جنگ پر آمادہ رہے اور اسی شام کو یہاں سے واپس نہ ہوئے تو تمہاری ذریت کو عطا سے محروم کر دے گا اور تمہارے جنگجو لوگوں کو متفرق کر دے گا۔ بُرے کے بدلے اچھے کو، غائب کے بدلہ حاضر کو گرفتار کرے گا۔ جس جس نے نافرمانی کی ہے ان میں سے سزا کے بغیر کسی کو نہ چھوڑے گا۔" (طبری، ج ۴، ص ۲۶۵)

اسی طرح کی تقریریں دوسرے سرداروں نے بھی کیں جن سے متاثر ہو کر پورا لشکر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ غروب آفتاب تک پورا میدان صاف ہو گیا۔ صرف تیس آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے۔ امام مسلم مسجد سے نکل کر ابوابِ کندہ کی جانب روانہ ہوئے۔ گلی کوچوں کے موڑ پر ایک ایک کر کے سب ساتھی چھوٹ گئے اور آپ تنہا رہ گئے۔

کوفیوں کی بے وفائی اور شہادتِ مسلم بن عقیل

یہ وہی مسلم بن عقیل تھے جن کے ساتھ بارہ ہزار وفادار کوفیوں کی جمعیت تھی

اور جن کے ادنیٰ سے اشارہ پر چار ہزار جانباز فداکاروں نے قصر امارت کا محاصرہ کر کے ابن زیاد جیسے شاطر گورنر کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ محسوس ہوتا تھا کہ دم زدن میں قصر امارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی اور کوفہ سے یزید کی علمداری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہائے نیرنگی چرخ کہن! خوف و طمع کی ایک جھلک نے کوفیوں کی قسم اور بیعت و وفاداری کا طلسم توڑ دیا۔ مسلم بن عقیل کوفہ کی گلی کوچوں سے گزر رہے ہیں۔ وہی شہر جس کے چپے چپے سے ان کے لئے فداکاری و جاں نثاری کے جذبات امڈ رہے تھے اب یہاں کا ایک ایک ذرہ ان کا دشمن یا ان کے لئے اجنبی بن چکا ہے۔

کوفیوں کی بے وفائی کا غم، بگڑے ہوئے ماحول میں حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی آمد کا خوف پیاس کے غلبہ سے نڈھال ہو کر طوعہ نامی ایک عورت کے دروازے پر بیٹھ گئے اس سے پانی طلب کیا، پانی پی کر وہیں بیٹھے رہے۔ طوعہ باہر آئی اور اس نے کہا بندۂ خدا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اٹھو اپنے گھر جاؤ اس نے تین بار یہی کہا مگر مسلم بن عقیل خاموش رہے۔ طوعہ نے کہا تم اپنے گھر جاؤ، تمہارا یہاں بیٹھنا مجھے پسند نہیں۔ حضرت مسلم نے سرد آہ کھینچی اور کہا:

"اس قوم نے مجھ کو جھٹلایا، مجھے فریب دیا، اس شہر میں نہ میرا کوئی مکان ہے اور نہ کوئی عزیز۔"

طوعہ نے دریافت کیا کیا آپ مسلم بن عقیل ہیں؟ جواب دیا ہاں! طوعہ نے کہا میرے گھر میں آجاؤ۔

طوعہ کا بیٹا ہلال محمد بن اشعث کا خانہ زاد تھا، صبح کو اس نے ابن اشعث کو مسلم بن عقیل کی اپنے مکان میں روپوشی کی اطلاع دی۔ اس نے عبیداللہ ابن زیاد کو خبر دی۔ عبیداللہ نے اپنے صاحب شرطہ عمرو بن حریث مخزومی کو تیس آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ طوعہ کے مکان پر مسلم کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا اور عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو بھی ساتھ کر دیا۔ مسلم کو خبر ہوئی کہ سپاہیوں نے ان کی گرفتاری کے لئے مکان کا محاصرہ کر لیا ہے تو تلوار لے کر باہر آگئے اور برسرپیکار ہوئے اور کئی بار حملہ آوروں کو پسپا کر دیا مگر وہ بار بار آپ کی طرف بڑھتے رہے۔ اسی دوران تلوار کے ایک وار سے

آپ کا ہونٹ کٹ گیا۔ مخالفوں نے مسلم کو قابو میں کرنے کے لئے پتھروں کی بارش کی مگر مسلم بدستور شمشیر بکف لڑتے رہے۔ یہ حال دیکھ کر محمد بن اشعث نے چلا کر کہا: مسلم تم نہ لڑو تمہیں امان دی جاتی ہے۔ آپ یہ شعر پڑھتے ہوئے شمشیر بکف آگے بڑھتے رہے:

اقسمت لا اقتل الا حرا

وان رایت الموت شیئا نکرا

"میں نے قسم کھائی ہے کہ میں شریف ہی قتل کروں گا اگرچہ میں موت کو ناپسندیدہ شے سمجھتا ہوں۔"

کل امرء یوما یلاق شرا

اخاف ان اکذب او اغرا

"ہر شخص ایک دن موت کے پنجہ میں گرفتار ہوگا، مجھے خوف ہے کہ میں جھٹلایا جاؤں گا یا دھوکا دیا جاؤں گا۔"

محمد بن اشعث نے کہا تم نہ جھٹلائے جاؤ گے اور نہ تم کو لوگ دھوکا دیں گے۔

پتھروں کی زد سے جسم نڈھال ہو چکا تھا، اس لئے مسلم ایک دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئے۔ سب نے امان کا اعلان کیا، تلوار لے لی اور خچر پر بٹھا کر دارالامارت کی جانب لے چلے مگر مسلم کو اس امر کا یقین تھا کہ ان کے ساتھ دغا کی جا رہی ہے، وہ فرط الم سے رو پڑے اور محمد بن اشعث کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

"میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھے امان دینے سے مجبور ہو۔ جو کچھ ہوا اچھا ہوا کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی شخص کے ذریعے حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاس میری خبر بھیج دو اور میری طرف سے کہلا بھیجو کہ اپنے اہلِ بیت کے ساتھ واپس لوٹ جاؤ۔ یہ اہلِ کوفہ ہیں جو تمہارے باپ علی کے دوست اور ہوا خواہ تھے، جن سے فراق کے خواستگار وہ موت یا قتل سے تھے۔"

(ابن خلدون ج ۵ ص ۷۹)

محمد بن اشعث نے اقرار کر لیا اور شہادت مسلم کے بعد حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو سارے واقعات سے مطلع کر دیا۔ مسلم بن عقیل ابن زیاد کے پاس پہنچے تو اسے

سلام نہ کیا۔ حرسی ازدی نے کہا: تم نے امیر کو سلام کیوں نہ کیا؟ فرمایا: اگر یہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو میرا سلام ہی کیا ہے اور اگر میرے قتل کا ارادہ نہیں ہے تو بہت سلام ہو جائیں گے۔

ابن زیاد نے کہا: "میں تمہیں ضرور قتل کروں گا۔"

مسلم نے کہا: میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ اچھا تم میری قوم کے کسی فرد کو اجازت دو میں تخلیہ میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت کے بعد آپ نے حاضرین پر نظر ڈالی۔ عمرو بن سعد پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: میری اور تمہاری عزیز داری ہے، میں تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ابن زیاد کی اجازت پر ابن سعد مسلم بن عقیل کے ساتھ تنہائی میں گیا، مسلم بن عقیل نے کہا:

"میں نے کوفہ میں فلاں شخص سے سات سو درہم قرض لے کر صرف کیا ہے، تم اس کو میری طرف سے ادا کر دینا۔ میرے قتل کے بعد میری لاش اجازت لے کر دفن کر دینا اور حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کے پاس کسی کو بھیج دینا کہ وہ کوفہ نہ آئیں۔"

عمرو بن سعد نے ساری باتیں ابن زیاد سے کہیں۔ ابن زیاد نے کہا: تم امین ہو، اس میں خیانت نہ کرو، مال کی بابت تم مختار ہو، حسین کی نسبت میں یہ کہتا ہوں کہ اگر وہ میری طرف آنے کا ارادہ نہ کریں گے تو میں بھی ان کا قصد نہ کروں گا۔ لاش کے بارے میں تمہاری سفارش نہ سنی جائے گی۔

ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

یا ابن عقیل اتیت الناس وامرھم جمیع کلمھم واحد لتنستقم وتفرق کلمتھم وتجعل بعضھم علی قتل بعض۔	تم نے کوفہ میں آ کر گروہ بندی کی، لوگوں کو ہماری مخالفت پر مجتمع کیا اور ان میں نفاق ڈالنے کی کوشش کی۔

ابن عقیل نے جرأت و بے باکی کے ساتھ جواب دیا:

کلا بست بذلک اتیت	ہرگز ایسا نہیں ہوا لیکن یہاں کے
ولکن اهل المصر زعموا ان	باشندوں نے خیال کیا تھا کہ تمہارے باپ
اباکم قتل خیارهم و سفک	نے ان کے اچھوں کو مار ڈالا ہے، خونریزی
دمائهم و عمل فیهم اعمال	کی ہے۔ ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ جیسے
کسری وقیصرواتیتهم لنامر	برتاؤ کئے ہیں۔ ہم ان کے بلانے سے ان
بالعدل و ندعوا الی حکم	کے پاس اس غرض سے آئے تھے کہ ان
الکتاب۔ (البدایہ، ج ۸،	میں عدل و انصاف قائم کریں اور کتاب و
ص ۱۵۶، ابن خلدون، ج ۵، ص ۸۱)	سُنّت پر عمل کی ہدایت کریں۔

کچھ دیر مکالمہ کے بعد ابن زیاد نے ایک شخص کو حکم دیا کہ مسلم کو قصر امارت کی چھت پر لے جا کر سرتن سے جُدا کردو اور لاش نیچے ڈال دو۔

مسلم بن عقیل زینہ طے کرتے جاتے اور تسبیح و صلوٰۃ پڑھتے جاتے اور استغفار کرتے جاتے اور کہتے جاتے:

''خدایا! ہمارا اور ان لوگوں کا انصاف تیرے ہاتھ میں ہے، جنہوں نے ہمیں دھوکا دیا، ہم سے جھوٹ بولے۔'' (طبری ج ۴، ص ۲۹۴)

قصر امارت کے بالائی حصہ پر لے جا کر بکیر بن حمران نے حضرت مسلم کی گردن اڑا دی۔ اس طرح حق و صداقت کے پیغام رساں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا اور یزیدی جبر و استبداد نے کوفہ کے باشندوں کو خائف و ترساں بنا کر حق کی حمایت سے روک دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سفر کوفہ

احباب کے مشورے

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل کا خط ملا کہ اب تک میرے

ہاتھ پر بارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کرلی ہے اور روز بروز حامیوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ آپ جلد کوفہ تشریف لائیں۔ اس پیغام کے بعد حضرت حسین نے کوفہ کا عزم مصمم کرلیا۔ جب دُور اندیش معاملہ فہم اشخاص کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفر کوفہ کی اطلاع ہوئی تو خدمت میں حاضر ہو کر ارادۂ سفر سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی نے کہا:

"میں سنتا ہوں آپ عراق کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ اس سفر میں آپ کے لئے اندیشہ ہے۔ آپ اس شہر میں جا رہے ہیں جس میں عہدہ دار اور امراء ہیں۔ ان کے پاس خزانے ہیں، لوگ دینار و درہم کے غلام ہیں۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ جن لوگوں نے آپ سے نصرت کا وعدہ کیا ہے وہی آپ سے آمادۂ پیکار نہ ہو جائیں۔"

امام حسین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: "خدا تمہیں جزائے خیر دے، خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم نے خیر خواہی کی بات کہی۔ جو مقدر میں ہے ہو کر رہے گا۔ میں تمہاری رائے پر عمل کروں یا نہ کروں مگر تم کو اپنا بہترین مشیر اور ہوا خواہ سمجھتا ہوں۔"

(طبری، ج ۴، ص ۲۸۷)

عبداللہ ابن عباس آئے اور کہا:

"میں تم کو کوفہ جانے سے روکتا ہوں تم وہاں اس وقت تک نہ جاؤ جب تک کہ اہلِ کوفہ اپنے امیر کو قتل نہ کر ڈالیں، اگر محض ان کے بلانے پر جاتے ہو اور ان کا امیر ان میں موجود ہے تو یقین کرلو تمہیں جنگ کے لئے طلب کر رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم کو وہ لوگ دھوکا دیں گے، جھٹلائیں گے اور تمہارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔"

(ابن خلدون، ج ۵، ص ۸۳، البدایہ، ج ۸، ص ۱۵۹)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں آج رات استخارہ کروں گا، دیکھیے حکمِ الٰہی کیا ہوتا ہے، دوسرے دن پھر ابن عباس آئے اور کہا:

"برادر من! مجھے بغیر نصیحت کئے صبر نہیں آتا۔ اس راہ میں مجھے

تمہارے ہلاک ہونے کا خوف ہے۔ اہلِ عراق بے وفا، عہد شکن ہیں۔ تم ان کے قریب نہ جاؤ، اسی شہر میں قیام کرو۔ تم ان کے سردار ہو، اگر تم مکہ سے جانا ہی چاہتے ہو تو یمن کی طرف چلے جاؤ، وہ بہت وسیع سرزمین ہے۔ یہاں گھاٹیاں بکثرت ہیں وہاں سے تم اپنے داعی اطراف و جوانب میں روانہ کرو اور لوگوں سے بیعت لو۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں پختہ ارادہ کر چکا ہوں کسی طرح نہیں رک سکتا۔ (ابن خلدون، ج ۵، ص ۸۳)

عبداللہ ابن زبیر حاضر ہوئے، کہا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اس قوم کے پاس جس نے آپ کے باپ کو شہید کیا اور آپ کے بھائی کو طعنہ دیا۔ بہتر ہو تا کہ آپ حجاز میں قیام کرتے اور اس کام کو یہیں سے انجام دیتے۔"

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: "میرے جد امجد نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک مینڈھے کی بدولت کعبہ کی بے حرمتی ہوگی۔ مجھے منظور نہیں کہ وہ مینڈھا میں ہی بنوں۔" (ابن خلدون، ج ۵، ص ۵۳)

حضرت عبداللہ ابن عمر حاضر ہوئے اور کہا:

"تم بیعت لینے اور امارت حاصل کرنے کے لئے مکہ سے باہر نہ جاؤ۔ اللہ جل شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا۔ آپ نے آخرت کو قبول کیا۔ چونکہ تم آنحضور کے جز ہو دنیا کی طلب نہ کرو۔ نہ اس کے گرد و غبار میں اپنے مبارک دامن کو آلودہ کرو۔ یہ کہہ کر ابن عمر رو پڑے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اشکبار ہو گئے۔"

(ابن خلدون ج ۵ ص ۸۳، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نصیحت فرماتے ہوئے کہا:

"اے ابو عبداللہ! (حسین رضی اللہ عنہ) میں آپ کا خیر خواہ اور آپ کا

شفیق ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کے پاس آپ کے حامیوں نے کوفہ سے خطوط لکھے ہیں، وہ آپ کو اپنے پاس بلا رہے ہیں تو آپ ان کے پاس نہ جائیں۔ میں نے آپ کے والد کو سرزمین کوفہ میں کہتے سنا: خدا کی قسم! میں نے ان کو رنجیدہ اور مبغوض کیا اور انہوں نے مجھے ستایا اور مجھ پر غضب کیا۔ ان لوگوں میں ہرگز وفا نہیں۔" (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۶۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کا پختہ ارادہ کر چکے تھے، اس لئے ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل و عیال افراد خاندان اور اعوان و انصار کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔

فرزدق سے ملاقات

مقام صفاح میں عرب کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس سے پوچھا اہلِ کوفہ کا کیا حال ہے؟ عرض کیا خدا کی قسم! آپ نے واقف کار مستحق ہی سے استفسار فرمایا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں لوگوں کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ، قضاء آسمان سے اتر رہی ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے اللہ ہی سارے امور کا مالک ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر حکمِ الٰہی ہماری مرضی کے موافق صادر ہوا تو ہم اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں گے حالانکہ وہ ادائے شکر سے مستغنی ہے اور اگر قضائے خداوندی خلافِ توقع نازل ہوئی تو ہم صبر کریں گے۔ (ابن خلدون ج ۵ ص ۸۴)

شہادتِ مسلم کی اطلاع

امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ انہیں مقام ثعلبیہ پر ایک اسدی شخص سے جو کوفہ سے آ رہا تھا، حضرت مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت

کی خبر ملی۔ جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہلِ کوفہ نے خوف و طمع سے متاثر ہو کر غداری کی ہے۔ ایسے ماحول میں کوفہ جانا دانشمندی نہ تھی۔ آپ کے ساتھیوں نے مراجعت کا مشورہ دیا۔ حضرت حسین بھی لوٹنا چاہتے تھے مگر مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا:

"واللہ جب تک ہم مسلم کا انتقام نہ لے لیں یا سب قتل نہ ہو جائیں، واپس نہ جائیں گے۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے بعد زندگی کا مزہ نہیں۔

(ابن خلدون ج ۵ ص ۸٦)

چند لوگوں نے کہا:

"واللہ آپ مسلم بن عقیل جیسے نہیں ہیں۔ آپ جوں ہی کوفہ پہنچیں گے سب لوگ آپ کے مطیع ہو جائیں گے۔" (ابن خلدون ج ۵ ص ۸٦)

بنو عقیل کے اصرار سے مجبور ہو کر آپ ثعلبیہ سے آگے کی طرف روانہ ہوئے۔

یزیدی لشکر کا مقدمتہ الجیش

دوپہر کا وقت، تپتا ہوا صحرا، مقام شراف، دور سے گرد و غبار کا بادل دیکھ کر لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ وجہ دریافت کی گئی تو کہا گیا کہ ہمیں گنجان درختوں کا باغ کھائی دیتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا یہ باغ نہیں، سواروں کی پیش رفت کی گرد ہے۔

بنی اسد کے دو شخصوں نے کہا: اس میدان میں کہیں باغ نہیں۔ پھر حسین رضی اللہ عنہ لجاء و مامن کی تلاش میں چلے مگر ابھی مقصود تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ ایک ہزار سواروں پر مشتمل یزیدی لشکر کا ہراول دستہ حر بن یزید تمیمی یربوعی کی قیادت میں سامنے آ پہنچا ظہر کا وقت ہوا، اذان دی گئی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کھلے میدان میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں تمہارے پاس ازخود نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط اور قاصد میری طلبی کے لئے میرے پاس نہیں گئے۔ اب اگر تم لوگ اپنا اقرار پورا کرو تو میں تمہارے شہر چلوں اور اگر تمہارے شہر میں میرے داخل ہونے سے تم کو نفرت ہو تو اجازت دو کہ میں جس شہر سے آیا ہوں وہیں واپس جاؤں۔" (ابن خلدون ج۵ ص۸۸)

کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اقامت ہوئی، حر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ آپ قیام گاہ پر واپس آئے اور حر اپنی فرودگاہ کی جانب روانہ ہوئے۔ عصر کی اذان کے بعد جب حر اور ان کے ہمراہی نماز کے لئے آئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا:

"اے لوگو! تم اللہ سے ڈرو اور حق کو پہچانو تو خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو گے۔ ان ظالموں، ناحق شناسوں سے جو مدعی امارت ہیں، ہم زیادہ مستحق خلافت ہیں اور اگر تم یہ بات ناگوار سمجھتے ہو اور تم ہمارے حقوق کو بھلا بیٹھو اور تمہاری وہ رائے بدل جائے جس کو تم نے اپنے قاصدوں اور خطوط کے ذریعے سے ظاہر کیا تھا، تو ہم واپس جائیں۔ (ابن خلدون ج۵ ص۸۸)

حر نے جواب دیا: خدا کی قسم! ہمیں ان قاصدوں اور خطوط کی اطلاع نہیں جن کا تم بار بار ذکر کر رہے ہو۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب میں خطوط سے بھری ہوئی دو تھیلیاں نکالیں اور کھول کر خطوط کو زمین پر پھیلا دیا۔ حر نے کہا: ہم نے یہ خطوط نہیں لکھے۔ ہم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم سے اگر ملاقات ہو جائے تو ہم تم کو اس وقت تک نہ چھوڑیں تاآنکہ تمہیں عبیداللہ بن زیاد امیر کوفہ کے پاس لے جائیں۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۷۲)

حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے موت بھلی ہے اور اپنے ہمراہیوں کو واپس جانے کا حکم دے کر سوار ہوئے۔ حر نے روکا اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس کوفہ چلنے پر مجبور کیا اور کہا: آپ یزید کو لکھئے میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ کوئی ایسی راہ پیدا کر دے جس سے آپ مبتلائے مصائب نہ ہوں۔ پھر حسین رضی اللہ عنہ

نے اپنے ساتھیوں کو جانے کا حکم دیا تو حر نے دائیں بائیں سے روکنا شروع کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کے روبرو ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی ظالم بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محرمات کو حلال کرتا ہے، اس کے عہد کو توڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا ہے۔ خلق اللہ میں ظلم و گناہ کے کام کرتا ہے پھر اس نے کسی قسم کی قولی یا عملی مزاحمت نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کے ساتھ شمار کرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! ان لوگوں (یزید اور امرائے یزید) نے اللہ تعالیٰ کی طاعت چھوڑ کر شیطان کی تابعداری شروع کی ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ حدود شرعی سے دست کش ہو گئے ہیں، مال غنیمت کو اپنا مال سمجھ لیا ہے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ میں ان لوگوں سے زیادہ صاحب الامر ہونے کا مستحق ہوں۔ تمہارے خطوط اور قاصد میرے پاس آئے اور تم نے مجھ کو بیعت کرنے کے لئے بلایا اب تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اگر اپنی بیعت و اقرار پر قائم رہو گے تو راہِ حق پا جاؤ گے۔ میں حسین، علی (رضی اللہ عنہما)، فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لڑکا ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ اور میرے اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں۔ تم کو میرے ساتھ بھلائی کرنی چاہئے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور عہد شکنی کی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ تم نے میرے باپ میرے حقیقی بھائی حسن رضی اللہ عنہ اور عم زاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بد عہدی کی ہے۔ افسوس ہے کہ تم لوگ مجھ کو دھوکا دے کر اپنا حق اور حصہ دینداری ضائع کر رہے ہو۔ پس جو بد عہدی کرے گا وہ اپنے لئے کرے گا اور اللہ تعالیٰ مجھ کو تم سے بے پروا کرے گا۔"

(ابن خلدون ج ۵ ص ۸۹)

حر نے کہا: میں قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم نے جنگ کی تو بلاشبہ مارے جاؤ گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ہم کو موت سے ڈراتے ہو اور یہ اشعار پڑھے:

سامضي و ما بالموت عار على الفتى
اذا ما نوى خيرا و جاهد مسلما
و واسى رجالا صالحين بنفسه
و خالف مثبورا و فارق مجرما
فان عشت لم اندم وان مت لم الم
كفى بك ذلا ان تعيش و ترغما

"میں تو اپنا قصد پورا کروں گا، جوانمرد موت سے عار نہیں کرتا جبکہ اس نے نیکی کی نیت کی اور مسلمان ہو کر جدوجہد کی۔ اور اچھے لوگوں سے بذاتہ محبت پیدا کی اور گردن زدنی لوگوں کی مخالفت کی اور باغیوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پس اگر میں زندہ رہا تو مجھے ندامت نہ ہوگی اور اگر مر گیا تو مجھے ذرا بھی صدمہ نہ ہوگا۔ تیرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو ذلیل و رسوا ہو کر عمر بسر کرے گا۔"

(ابن خلدون ج ۵ ص ۹۰)

حر خاموش ہو رہے مگر ساتھ نہ چھوڑا اور ادھر ادھر سے راستہ روکتے رہے۔ حضرت امام نے حر کا یہ انداز دیکھا تو فرمایا: ثکلتک امک ماذا ترید؟ تیری ماں تجھ پر روئے تیرا کیا ارادہ ہے؟ حر نے کہا: خدا کی قسم! آپ کے علاوہ کوئی دوسرا یہ بات کہتا تو میں اس کو دندان شکن جواب ضرور دیتا مگر آپ کی محترم ماں کا ذکر تو بھلائی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے کرنا سخت گناہ ہے۔ حر نے سنجیدہ انداز میں کہا: حسین مجھے آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے جاؤں مگر میں جب سو جاؤں تو رات کی تاریکی میں آپ وہ راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کو جاتا ہو اور نہ مدینہ کو۔ پھر آپ یزید کے پاس لکھیں اور میں ابن زیاد کو تحریر کروں۔ ممکن ہے کہ خدا کوئی ایسی صورت پیدا کرے جس میں ہماری عافیت ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۳)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ رات بھر صحرا میں پھرتے رہے مگر جب صبح ہوئی تو اسی مقام پر تھے جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ عذیب پہنچے تو کوفہ سے چار آدمی آئے۔ آپ نے ان سے کوفہ والوں کا حال دریافت فرمایا۔ مجمع بن عبداللہ العایذی نے جواباً عرض کیا:

"شرفائے کوفہ کی رشوت خوری میں اضافہ ہو چکا ہے، دنیا کی طمع میں پڑے ہوئے ہیں، وہ ایک زبان ہو رہے ہیں، باقی رہے عوام الناس تو ان کے قلوب تمہاری طرف مائل ہیں لیکن ان کی تلواریں کل تم پر نیام سے باہر آئیں گی۔" (ابن خلدون ج ۵ ص ۹۰)

مقامِ نینوا

۲ محرم ۶۱ھ کو امام حسین رضی اللہ عنہ مقامِ نینوا پہنچے، بتایا گیا کہ یہ کربلا ہے۔ ارشاد فرمایا: کرب وبلاء۔ اسی مقام پر ابن زیاد کا قاصد حر کے پاس پیغام لے کر پہنچا:

حسین کو ایک کھلے میدان میں ٹھہراؤ جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی محفوظ مقام ہو۔

کوفہ سے فوج کی روانگی

نینوا کی سرزمین پر قافلہ اہلِ بیت رسول فروکش تھا، شہر کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد، حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر لشکر کشی اور سپہ سالار لشکر کے تعین کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا۔ عمرو بن سعد بن ابی وقاص جو ان دنوں دیلمیوں کی سرکوبی پر مامور تھا، اسے کوفہ طلب کیا گیا۔ ابن زیاد نے کہا: ابن سعد! حسین کا مقابلہ سب سے مقدم ہے، پھر تم اپنے عہدۂ امارت رے کے لیے جانا۔ عمرو بن سعد نے کہا: خدا امیر پر رحم کرے مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ ابن زیاد نے کہا: اگر تم حسین کے مقابلہ کے لئے نہ جاؤ گے تو تم کو رے کی حکومت نہ ملے گی۔ ابن سعد نے ایک رات کی مہلت طلب کی اور قیام گاہ پر آکر اپنے احباب اور حاشیہ نشینوں سے مشورہ لینا شروع کیا۔ تمام ہوا

خواہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر جانے کی مخالفت کی۔ خونِ حسین رضی اللہ عنہ کا بار اٹھانے کی اجازت کسی نے نہ دی۔ حمزہ بن مغیرہ کو معلوم ہوا تو ابن سعد سے کہا: ماموں جان! میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ آپ حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر جاکر خدا کا گناہ اپنے سر نہ لیجئے اور قطع رحم نہ کیجئے۔ خدا کی قسم اگر آپ کی دنیا، آپ کا مال، آپ کی حکومت سب ہاتھوں سے نکل جائے اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ خدا سے ملئے اور آپ کے ہاتھ حسین رضی اللہ عنہ کے خونِ بے گناہی سے آلودہ نہ ہوں۔ ابن سعد نے کہا: انشاء اللہ تمہارے مشورہ پر عمل کروں گا۔

عمار ابن عبداللہ ابن یسار جہنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن سعد کے پاس گئے جبکہ انہیں حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا حکم دیا جا چکا تھا۔ ابن سعد نے کہا: مجھے حسین کی طرف پیش رفت کا حکم دیا گیا مگر میں نے انکار کر دیا۔ عبداللہ نے کہا: خدا تم کو نیک ہدایت دے تم کبھی بھی ایسا نہ کرنا اور ہرگز نہ جانا۔

پھر انہیں معلوم ہوا کہ ابن سعد حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے جا رہا ہے، دوبارہ گئے مگر اس مرتبہ ابن سعد نے عبداللہ کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ عبداللہ اس کا عندیہ سمجھ کر لوٹ آئے۔

حکومت رے کا لالچ، دنیاوی جاہ و منصب کی چمک دمک نے ابن سعد کے ضمیر کو سلا دیا۔ احباب کے مشورہ سے صرف نظر کر کے اس نے خون حسین رضی اللہ عنہ سے اپنے دامن کو آلودہ کرنے کا فیصلہ کیا اور چار ہزار لشکر لے کر کربلا پہنچا۔ (طبری ج ۴ ص ۳۱۰)

ابن سعد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کوفہ کی جانب پیش رفت کا سبب دریافت کیا۔ حسین نے ارشاد فرمایا کوفہ کے شرفاء و روٴسا نے مجھے طلب کیا اگر تم میرا آنا پسند نہیں کرتے تو مجھے واپس جانے دو۔

ابن سعد نے ابن زیاد کے پاس تحریر کیا جس کے جواب میں ابن زیاد نے لکھا:

> ”حسین سے یزید کی بیعت لو اگر وہ بیعت کر لیں تو جو مناسب ہوگا، کیا جائے گا۔ اور اگر بیعت سے انکار کریں تو بلا تامل جنگ کرو اور ان پر اور ان کے ہمراہیوں پر پانی بند کر دو۔“ (ابن خلدون ج ۵ ص ۹۳)

نہر علقمہ پر یزیدی فوج کا دستہ

اس حکم کے آتے ہی عمرو بن سعد نے عمرو بن حجاج کی سرکردگی میں پانچ سو سواروں کو فرات کی شاخ نہر علقمہ پر متعین کر دیا جو حسین رضی اللہ عنہ اور نہر علقمہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس طرح ساقی کوثر کا نواسہ اور اہلِ بیت رسول پانی کی ایک ایک بوند کے لئے محروم کر دیئے گئے۔ ابن زیاد نے نہر پر قدغن لگا کر سفاکی و بے رحمی کی ایک نئی طرز ستم ایجاد کی۔

وہ حسین رضی اللہ عنہ جس کے نانا جان نے خشک سالی و قحط کے زمانہ میں اس وقت کے بدترین دشمنِ اسلام ابو سفیان کی درخواست پر بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی تھی۔ ابر کرم جھوم کر مکہ کی فضاؤں پر چھا گیا اور سات روز تک سلسلہ باراں جاری رہا اور سالہا سال تک کے لئے خشک ریگزار سیراب ہو گیا تھا۔ نبی رحمت نے اس وقت ابو سفیان سے نہ تو قبول اسلام کا وعدہ لیا تھا اور نہ ہی آئندہ مسلمانوں پر حملہ نہ کرنے کی شرط رکھی تھی۔ مگر آج ابو سفیان کے پوتے یزید کی بیعت کے لئے نواسہ رسول پر پانی بند کیا جا چکا ہے۔ شرط یہ ہے کہ حسین پہلے یزید کی بیعت کریں پھر وہ پانی سے سیراب ہوں۔

ابن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی گفتگو

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ میں رات میں دونوں لشکروں کے درمیان تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ابن سعد بیس سواروں کے ساتھ رات کی تاریکی میں مقررہ مقام پر پہنچا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ دونوں اپنے ہمراہیوں سے الگ ہو کر کافی دیر تک محو گفتگو رہے، مگر کسی کو گفتگو کا قطعی علم نہ ہو سکا۔ مختلف قیاسات تاریخوں میں موجود ہیں، دونوں کی باہمی گفتگو کا تخمینہ بعد کے واقعات سے لگایا جاتا ہے۔ ابن خلدون نے ایک روایت کے مطابق امام حسین رضی اللہ عنہ اور ابن سعد کی گفتگو کا خلاصہ مکتوب ابن سعد بنام ابن زیاد میں اس طرح تحریر کیا ہے:

"حسین نے تین درخواستیں پیش کی ہیں: وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس کر دیئے جائیں، جس سرحد کی طرف ہم چاہیں ان کو بھیج دیں، ہم ان کو امیر المومنین یزید کے پاس لے جائیں۔ اس میں ہماری خوشنودی اور امت محمدیہ کی رضامندی ہے۔ (ابن خلدون ج ۵ ص ۹۴)

ابن سعد جو دنیاوی جاہ و عظمت کی طمع میں حضرت حسین سے جنگ پر آمادگی کا اظہار کر چکا تھا مگر اس کے دل میں اب بھی حسین رضی اللہ عنہ کیلئے نرم گوشہ موجود تھا، جاہ و حشم کی خاکستر میں دبی ہوئی حقیقت پسندی کی چنگاری اس کے نہاں خانہ دل میں کبھی کبھی چمکتی اور قتل حسین رضی اللہ عنہ میں آلودہ ہو کر دین و ایمان کی غارت گری اور عاقبت کے عذاب و خسران سے بچنے کی تلقین کرتی تھی۔ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی وہ عظیم شخصیت تھی جس پر ہاتھ اٹھانا ایک غیر متعلق مسلمان بھی پسند نہ کرتا تھا۔ ابن سعد تو ذات نبوی سے قرابت کے باعث حسین رضی اللہ عنہ کا عزیز تھا اس لئے اس کی دلی خواہش یہی تھی کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ نہ کرے، مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی جذبہ کے تحت ابن سعد نے ابن زیاد کو خط تحریر کیا تھا۔ جب قصر امارت کوفہ میں ابن سعد کا خط پڑھا گیا تو امیر کوفہ ابن زیاد نے کہا:

"میں اسے منظور کرتا ہوں، یہ خط ایسے شخص کا ہے جو امیر و رعیت کا خیر خواہ اور مشفق ہے۔"

شمر بن ذی الجوشن نے اٹھ کر کہا:

"کیا آپ اس درخواست کو قبول کریں گے۔ حسین تمہارے ملک میں آ گیا ہے۔ بخدا اگر وہ یہاں سے نکل گیا اور اس نے تمہارے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو وہ تم سے زیادہ قوت و شوکت والا ہو جائے گا اور اس سے مقابلہ نہ کر سکو گے۔ میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے حکم کے ماننے پر مجبور کرو۔ عدول حکمی کی صورت میں ان کو سزا دینے کا حق تمہیں حاصل ہے۔ واللہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے حسین اور ابن سعد دونوں تمام رات گفتگو کرتے رہتے ہیں۔"

ابن زیاد کی نخوت و انا نے جوش مارا اور اس نے فوراً ابن سعد کو ایک تہدیدی خط لکھا:

میں نے تم کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم ڈھیل دیتے رہو اور دن بڑھاتے چلے جاؤ اور حسین کے سفارشی بن کر ان کی بقاو سلامتی کی تمنا کرو۔ تم حسین اور ان کے ساتھیوں سے میرا حکم ماننے کے لئے کہو۔ اگر مان جائیں تو سب کو ہمارے پاس بھیج دو ورنہ فوراً حملہ کر دو اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج شمر بن ذی الجوشن کے حوالہ کر کے الگ ہو جاؤ۔ ہم اپنا حکم ضرور پورا کریں گے۔" (تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۶۰)

یہ پیغام شمر ذی الجوشن اور عبداللہ بن ابی المحل کے ذریعہ ابن سعد کے پاس پہنچا۔

یزیدی فوج کی پیش رفت اور ایک رات کی مہلت

ابن زیاد کے اس حکم نے ابن سعد کو ایک بار پھر سخت تشویش اور کرب میں مبتلا کر دیا، اس کا ضمیر ملامت کرتا رہا مگر دوسری جانب رے کی حکومت گریباں گیر تھی۔ فکر و تشویش لیت و لعل کے اندیشوں کا شکار رہنے کے بعد دنیا دین پر غالب آ گئی اور وہ حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔

نویں محرم ۶۱ھ کو عصر کے وقت ابن سعد نے یزیدی فوج کے ایک دستہ کے ساتھ حسینی خیموں کی طرف پیش رفت کی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے عباس بن علی کو ابن سعد کے پاس پیش قدمی کا سبب دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ عباس نے ابن سعد سے پوچھا تم ہماری طرف کس لئے بڑھ رہے ہو؟ ابن سعد نے امیر کوفہ ابن زیاد کا خط پڑھ کر سنا دیا اور کہا ہم امیر کے حکم کی تعمیل کے لئے آئے ہیں۔ عباس امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت امام نے فرمایا تم ابن سعد سے کہو کہ وہ ہمیں رات بھر کی مہلت دے تاکہ ہم دعا و استغفار اور قرآن حکیم کی تلاوت کریں، نماز ادا کریں، صبح وہ ہو گا جو ہونے والا ہے۔ عباس نے ابن سعد سے کہا اس

وقت تم لوگ واپس چلے جاؤ، صبح تک ہمیں مہلت دو انشاء اللہ کل جو مناسب ہو گا کیا جائے گا۔

حضرت امام کا خطاب اور جانثاروں کی ثبات قدمی

ابن سعد نے مشیروں سے مشورہ کے بعد ایک رات کی مہلت کا فیصلہ کر لیا اور اپنی فرودگاہ پر لوٹ گیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اعوان و انصار کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے جدامجد کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہم کو گوش و چشم اور قلوب عنایت کئے۔ قرآن کی تعلیم اور دین کا فہم عطا فرمایا۔ پس ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ میں اپنے ہمراہیوں سے زیادہ کسی کو باوفا اور بہتر نہیں سمجھتا۔ میرے اہل بیت سے زیادہ نیک اور رشتہ کا لحاظ رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں۔ آگاہ ہو جاؤ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کل یہ اعداء مجھ سے ضرور لڑیں گے۔ میں تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کی تاریکی میں جس کا جس طرف جی چاہے چلا جائے۔ اس پر میرا کچھ حق نہیں ہے، اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی طرف منتشر ہو کر چلے جاؤ۔ شاید اللہ تعالیٰ تم کو اس ظلم سے بچالے۔ کیونکہ شامی میرے خون کے پیاسے ہیں اگر مجھے پا جائیں گے تو دوسرے کی جستجو نہ کریں گے۔"

اس خطبہ کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے، تمام اعوان و انصار بیک زبان بولے:

لا بقاء لنا بعدك ولا ارانا الله فيك ما نكره۔

آپ کے بعد ہماری زندگی بے کیف ہو گی۔ خدا ہمیں وہ چیز نہ دکھائے جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔

(ابن خلدون ج ۵ ص ۹۷، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۶)

خانوادۂ ہاشم کے اعلان وفاداری کے بعد مسلم بن عوسجہ اسدی نے اپنی وفاداری و جاں سپاری کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"خدا کی قسم! اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا جب تک دشمنوں کے سینہ میں نیزہ نہ توڑ لوں اور تلوار نہ چلا لوں۔ خدا کی قسم! اگر میرے پاس اسلحے نہ ہوتے تو دشمنوں پر پتھر برساتا اور آپ پر قربان ہو جاتا۔"

(ابن خلدون ج ۵ ص ۹۸)

سعد بن عبداللہ حنفی نے کہا:

"بخدا ہم آپ کو چھوڑ کر نہ جائیں گے یہ تو دیکھ لے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیبت میں ہم نے آپ کی کیسی حفاظت کی۔ واللہ میں جانتا کہ قتل ہو جاؤں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر زندہ جلا دیا جاؤں گا پھر میری راکھ اڑا دی جائے گی۔ ستر مرتبہ یہی حالت مجھ پر گزرے پھر بھی آپ کی نصرت میں جب تک مجھے موت نہ آجائے آپ سے جدا نہ ہوتا اور اب تو ایک ہی بار قتل ہونا ہے اس میں وہ شرف و کرامت ہے جسے ابد تک زوال نہیں پھر میں اسے کیوں نہ حاصل کروں۔" (تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۶۵)

ہمراہیوں کو رخصت کرنے کے بعد حضرت امام تنہائی میں رقت انگیز اشعار پڑھنے لگے جسے سن کر حضرت زینب کا دل کرب و اندوہ سے لبریز ہو گیا۔ بھائی کے پاس آئیں اور کہا ہائے افسوس! کاش آج کی زندگی کو میری موت فنا کر دیتی۔ میری ماں فاطمہ مر گئیں میرے باپ علی مجھ سے جدا ہو گئے، میرا بھائی حسن جاتا رہا۔ اے خلیفہ اے سرپرست باقی!

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزیز بہن کا درد انگیز کلام سنا تو فرمایا:

"بہن کیا کہہ رہی ہو، تمہارے صبر و تحمل کو کیا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اس کے حکم پر صابر و شاکر رہو، اور یہ جان رکھو کہ زمین کے سارے باشندے مر جائیں گے، آسمان والے بھی باقی نہ رہیں گے۔ بے شک ذاتِ الٰہی کے علاوہ ساری کائنات فنا ہونے والی ہے۔ میرا باپ مجھ سے بہتر

تھا۔ میری ماں مجھ سے افضل تھیں، میرا بھائی مجھ سے زیادہ نیک تھا، مجھ کو اور ان کو اور تمام مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرنی ہے وہ بھی اس دنیا سے اُٹھ گئے تو ہم کس شمار میں ہیں۔ اے میری بہن میں تمہیں قسم دلاتا ہوں کہ کل اگر میں مارا جاؤں تو جامہ دری نہ کرنا، نوحہ و ماتم نہ کرنا۔ اے بہن یہی دن سب کو پیش آنے والا ہے، صبر کرنا، صبر کا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔" (ابن خلدون ج ۵ ص ۹۹-۹۸، طبری ج ۴ ص ۳۶۸)

ساری رات حسینی قافلہ کے افراد نے دعا و استغفار، نماز و تلاوت میں گزار دی۔ حضور الٰہی میں توبہ و استغفار کرتے رہے اور آلام و مصائب کا قافلہ لے کر نمودار ہونے والی صبح قیامت کے انتظار میں بیدار رہے۔

قیامتِ صغریٰ

دسویں محرم ۶۱ھ کی قیامت خیز صبح کے آثار اُفق مشرق پر ظاہر ہوئے۔ نسیم سحری کے جھونکے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے قدسی صفات وفادار جانثاروں کو آخری سلام کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ عبادت و طاعت الٰہی، ذکر و استغفار میں پوری رات گزر چکی تھی۔ اب ابتلاء و آزمائش کا قافلہ لے کر آفتاب طلوع ہونے والا تھا، اذان دی گئی، کھلے میدان میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے آخری نماز باجماعت ادا فرمائی۔

دوسری جانب یزیدی لشکر میں جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں، پانچ ہزار مسلح لشکر ابن سعد کی قیادت میں اس طرح آگے بڑھا کہ میمنہ پر عمرو بن حجاج، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن رسالہ عزیزہ بن قیس کی سرکردگی میں اور شیث بن ربعی پیادوں کا افسر تھا۔ یزیدی لشکر شرافت و انسانیت کے پیکر ۷۲ نفوس قدسیہ کی طرف طوفان بلاخیز کی طرح بڑھا۔ ملوکیت و قیصریت کے دنیادار ہواخواہوں کا لشکر دعوت و عزیمت، حق و صداقت کے علمبرداروں کا خاتمہ کر کے ظلم و جور کے خلاف اٹھنے والی آواز کو ہمیشہ کے لئے دبا کر

یزیدیت کا غلغلہ بلند کرنے کے لئے باطل قوت و جوش کے ساتھ آگے بڑھا۔

عزیمت و استقامت کے پیکرِ روحانی نے سیلابِ بلا کے سامنے اپنے وفا شعار افراد کو اس طرح مرتب فرمایا۔ میمنہ پر زہیر بن قیس، میسرہ پر حبیب ابن مظاہر کو متعین فرمایا، علم عباس بن علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا خیموں کو پشت پر رکھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب میدانِ جنگ کا قصد کیا قرآن کو سامنے رکھا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں دردناک آواز میں یہ دعا ارشاد فرمائی:

اللھم انت ثقتی فی کل کرب ورجائی فی کل شدہ وانت لی فی کل امر نزل بی ثقہ وعدہ کم من ھم یضعف الفواد وتقل فیہ الحیلہ ویخذل فیہ الصدیق ویشمت فیہ العدو انزلتہ و شکوتہ الیک رغبہ منی الیک عمن سواک وکشفتہ فانت ولی کل نعمہ و صاحب کل حسنہ ومنتھی۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۱)	خدایا تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں میرا آسرا ہے۔ مجھ پر جو وقت آئے ان میں تو ہی میرا پشت و پناہ تھا۔ بہت سے غم واندوہ ایسے ہیں جن میں دل کمزور پڑ جاتا ہے۔ کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں، دوست اس میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن شماتت کرتے ہیں لیکن میں نے ان تمام قسم کے نازک اوقات میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا تجھی سے اس کی شکایت کی تو نے ان مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلے میں میرا سہارا بنا تو ہی ہر نعمت کا حائل اور بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور ہر خواہش کا منتہا ہے۔

جب پانچ ہزار یزیدی لشکر اور ۷۲ افراد پر مشتمل بھوکا پیاسا حق پرستوں کا گروہ مقابل ہوا۔ جنگ یقینی تھی، خون کا دریا بہنے والا تھا، دل دھڑک رہے تھے، فضا خاموش تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اسلامی آئین خلافت کے برعکس یزیدی قیصریت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں ملوکیت کی فاسد روایات کو رواج دے کر

اسلام کی جمہوری اقدار کو فنا کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے وہ یزید جیسے فاسق و فاجر، ناخدا ترس، محرمات کو حلال کرنے والے، آزادی رائے اور عدل و انصاف کا گلا گھونٹنے والے یزید کے ہاتھ پر ہاتھ دے کر اپنی عزیمت مآب شخصیت کو مجروح کرنا گوارا نہ کرتے تھے۔ اور قیصرو کسریٰ کی طرز پر قائم ہونے والی جابرانہ طرزِ حکومت پر مہر تصدیق ثبت کرنا گوارا نہ کرتے تھے۔ دوسری جانب یزیدیوں کا کہنا تھا کہ دو ہی رائے ہیں، یا تو امام حسین یزید کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی خلافت اور خلافِ اسلام بدترین کارناموں کی توثیق کردیں یا پھر سرزمینِ کربلا کو اپنے اور اپنے احباب و انصار کے خون سے لالہ زار بنانے کے لئے تیار ہو جائیں اور کربلا کی خاک کو اپنی ابدی آرام گاہ بنا کر یزیدیت کے خلاف تحریک کا خاتمہ کردیں۔

آغوشِ رسالت کے تربیت یافتہ حسین، شیرِ خدا کے فرزند، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر یزید کے ہاتھوں پر بیعت کر کے دین کا سودا نہ کر سکتے تھے کیونکہ قرآن و سُنّت کی رُوح رگ رگ میں پیوست تھی۔ قرآن نے عدل و انصاف پر مبنی نظام حکمرانی کا حکم دیا ہے۔ نانا جان نے اسلام کے روحانی نظام دین و شریعت کے بقاء و تحفظ کے لئے معاندین اسلام کی کچھ پرواہ نہ کی تھی۔ کفرو شرک، شرو فساد سے بھرے ہوئے جزیرہ نمائے عرب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے حق و صداقت کو دبانے کے لئے مشرکین مکہ نے لاکھ جتن کئے مگر ناکامی ہوئی۔ ایک بار ابو طالب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعوت حق و صداقت سے باز رکھنے کے لئے دھمکی دی گئی تو مشفق و مہربان چچا ابو طالب سے ارشاد فرمایا:

> ”عم محترم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا یا خدا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔“

کفارِ مکہ کی تہدیدی کوشش ناکام رہی تو سرکار کی خدمت میں پیغام بھیجا: اے محمد! تم کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست، کسی بڑے خاندان میں شادی یا دولت کا ذخیرہ، ہم سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں مگر تم اپنی تحریک سے باز آجاؤ۔ جواب میں رسالت مآب صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (حم سجدہ: ۹)	اے محمد! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو اس نے دو دن میں زمین پیدا کی اور اس کا شریک ٹھہراتے ہو، خدا ساری کائنات کا پروردگار ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی رگوں میں رسولِ معظم کا خون گردش کر رہا تھا، وہ حق و صداقت کے علی الرغم یزیدی مراعات اور شاہی نوازشات سے بہرہ مند ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ دنیا کا عیش و طرب انہیں قبول نہ تھا۔ وہ دین حق کی سربلندی کے لئے ابتلاء و آزمائش کی سختیوں سے گزرنا، کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں اپنے جگر گوشوں کے تڑپتے لاشے دیکھنا، اپنے اعوان و انصار کا لہولہان ہو کر جُدا ہونا، اپنے جسم پر تیر تبر، شمشیر و سنان کے لاتعداد زخم اور گردن پر خنجر آبدار کا چلنا زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

سورج نے زمینِ کربلا پر خون آلود کرنیں بکھیریں، یزیدی لشکر کو جنبش ہوئی اور حضرت حسین چند احباب و اعزہ اور جانثاروں کو خون میں نہلانے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ امتحان و آزمائش کا یہ ایسا وقت تھا جب حسین رضی اللہ عنہ اپنی جان بچانے اور حیات مستعار کی چند روزہ بقاء کے لئے یزیدی بیعت پر رضامند ہو کر دنیا کی آسائش اپنے دامن میں سمیٹ سکتے تھے مگر حسین رضی اللہ عنہ خون کے دریا سے گزر کر حیاتِ جاوداں حاصل کرنا اور چمنستانِ رسالت کے نونہالوں کے خون سے دین کے چہرے کا غبار دھونا، باطل کی تمرد پسندی اور قیصری نخوت کا سر ہمیشہ کے لئے نیچا کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس مرحلہ آزمائش میں مشیت ایزدی پر برضا و خوشی سر کٹانے کے لئے آمادہ ہو گئے، دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ حسین صف سے نکل کر یزیدی لشکر کے سامنے آئے اور دنیا کی جاہ و حشمت کے لئے دین فروخت کرنے والے نام نہاد مسلمانوں کے سامنے اتمام حجت کے لئے ایک موثر تقریر فرمائی تاکہ آنے والا مورخ حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار کو یہ کہہ کر داغدار نہ کر سکے کہ حسین

نے اپنے نانا جان کی طرح تبلیغ حق نہ کی۔ ظلمت و تاریکی میں بھٹکنے والوں کو شمع ہدایت نہ دکھائی، منہاج دین و شریعت، خوفِ خدا و خوفِ مواخذۂ آخرت کی ترغیب و تلقین نہ فرمائی ورنہ یزیدیوں کے سخت دل موم ہو جاتے اور پھر تاریخ اسلام کا یہ عظیم اندوہناک واقعہ پیش نہ آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے کلمہ خوان، اہلِ بیت رسول اور ان کے چہیتے نواسے کا گلا اپنی تلواروں سے قلم کرتے۔

حسین تو اس رسول اعظم و اکرم کے نواسے تھے جو مکہ کی سرزمین پر کفارِ قریش کے سخت ترین مظالم اور ان کی اسلام دشمن ریشہ دوانیوں کے باوجود دینِ حق کی تبلیغ کرتے رہے۔ حسین نے بھی آخر وقت میں جبکہ جنگ ناگزیر تھی، تبلیغی مشن کو جاری رکھا اور ارشاد فرمایا:

یزیدی فوج سے خطاب

ایها الناس اسمعوا قولی — لوگو! میری بات سن لو میرے ساتھ
ولا تعجلونی حتی اعظکم — جلدی نہ کرو جو باتیں تم سے کہنی ضروری
بما لحق لکم علی وحتی — ہیں مجھے کہہ لینے دو اور تم لوگوں کے پاس
اعتذر الیکم من مقدمی — آنے کا عذر مجھے کر لینے دو۔ اگر تم میرا عُذر
علیکم فان قبلتم عذری — مان لو گے، میری بات سچ سمجھو گے، میرے
وصدقتم قولی واعطیتمونی — ساتھ انصاف کرو گے تو تم نیکی حاصل کرو
النصف کنتم بذلک اسعد — گے اور پھر مجھ پر الزام نہ لگا سکو گے۔ اگر
ولم یکن لکم علی سبیل وان — میری سنو گے خوش قسمت ہو گے اور
لم تقبلوا منی العذر ولم — تمہارے لئے میری مخالفت کی کوئی سبیل
تعطوا النصف من انفسکم — باقی نہ رہے گی اور اگر تم نے میرا عذر قبول
فاجمعوا امرکم و شرکاء کم — نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو پس تم اور
ثم لا یکن امرکم علیکم غمه — تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات

ثم اقضوا الی ولا تنظرون○ ان ولیی ء اللہ الذی نزل الکتب وھو یتولی الصالحین○

ٹھہرا لو تاکہ تمہاری وہ بات تم میں سے کسی کے اوپر مخفی نہ رہے۔ تم میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر ڈالو اور مجھے مہلت نہ دو میرا نگہبان خدا ہے جس نے کتاب نازل کی اور وہی صالحین کا ولی ہوتا ہے۔

حضرت امام اس مقام تک پہنچے تھے کہ خیمہ گاہ امامت میں نوحہ و ماتم برپا ہو گیا۔ خواتین کی آواز گریہ و زاری سن کر آپ نے عباس ابن علی کو بھیجا کہ جا کر انہیں خاموش کرو، صبر کی تلقین کرو۔ میری زندگی کی قسم ابھی ان کو بہت رونا ہے، سکوت کے بعد سلسلہ تقریر جاری کرتے ہوئے فرمایا:

امابعد! فانسبونی فانظروا من انا ثم ارجعوا الی انفسکم وعاتبوھا فانظروا ھل یحل لکم قتلی وانتھاک حرمتی الست ابن بنت نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم وابن وصیہ وابن عمہ واول المومنین باللہ والمصدق لرسولہ بما جاء من عند ربہ او لیس حمزہ سید الشھداء عم ابی او لیس جعفر الشھید الطیار ذوالجناحین عمی اولم یبلغکم قول مستیقظ فیکم ان رسول اللہ صلی اللہ

لوگو! میری نسبت پر غور کرو میں کون ہوں پھر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے آپ کو ملامت کرو۔ خیال کرو کہ میرا قتل اور میری آبروریزی تمہارے لئے زیبا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا لڑکا اور اس کے وصی، ابن عم، خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اس کے رسول اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والے کا فرزند نہیں ہوں۔ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا اور جعفر طیار ذوالجناحین میرے چچا نہ تھے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا: یہ دونوں نوجوانانِ جنّتِ

تعالی علیه واله وسلم قال لی ولاخی هذان سیدا لشباب اهل الجنه فان صدقتمونی بما اقول وهو الحق والله ما تعمدت کذبا مذعلمت ان الله یمقت علیه اهله ویضربه من اختلقه وان کذبتمونی فان فیکم من ان سالتموه عن ذالك اخبرکم سلوا جابر بن عبدالله الانصاری اواباسعید الخدری اوسهل بن سعد الساعدی او زید بن ارقم اوانس بن مالك یخبروکم انهم سمعوا هذا المقاله من رسول الله صلی الله علیه وسلم لی ولاخی افما فی هذا حاجز لکم عن سفك دمی فوالله ما بین المشرق والمغرب ابن بنت نبی غیری منکم ولا من غیرکم انا ابن بنت نبیکم خاصه اخبرونی اتطلبونی بقتل منکم قتلته او مال لکم استهلکته او بقصاص

کے سردار ہیں۔ اگر میں سچ کہتا ہوں اور یقیناً سچ کہتا ہوں کیونکہ جب سے مجھے معلوم ہے کہ جھوٹے پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اس وقت سے میں نے عمداً جھوٹ نہیں بولا۔ اور اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں اس کے جاننے والے موجود ہیں۔ ان سے اس کی تصدیق کر لو۔ جابر ابن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل ابن سعد ساعدی، زید ابن ارقم، انس ابن مالک ابھی زندہ ہیں، ان سے پوچھو۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ مجھے بتاؤ کیا اس فرمان میں میری خونریزی کے لئے کوئی روک نہیں؟ خدا کی قسم! آج مشرق سے لے کر مغرب تک روئے زمین میں تم میں اور کسی غیر قوم میں بھی میرے سوا کوئی نبی کا نواسہ نہیں ہے۔ میں خاص تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم لوگ میرے خون کے خواستگار کیوں ہو، کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے، کسی کا مال ضائع کیا ہے، کسی کو زخمی کیا ہے۔ لوگ خاموش رہے کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

من جراجه لا یکلمونه۔

(طبری ج ۴ ص ۳۲۳۔۳۲۲)

پھر حضرت امام نے پکار کر کہا: اے شیث بن ربعی، اے حجار ابن ابجز، اے قیس ابن اشعث، اے یزید ابن حارث کیا تم نے مجھ کو نہیں لکھا تھا:

ان قد اینعت الثمار واخضر الجناب وطحمت الجمام وانما تقدم علی جندلک فجند فاقبل۔

پھل پک چکے ہیں، کھجوریں سر سبز ہیں، دریا جوش میں ہیں، فوجیں تیار ہیں، تم فوراً آؤ۔

ان لوگوں نے جواب دیا ہم نے آپ کو خطوط تحریر نہیں کئے تھے۔ فرمایا: سبحان اللہ! خدا کی قسم تم نے لکھا تھا۔

لوگو! اگر تم کو میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں کسی پُرامن خطہ زمین کی طرف چلا جاؤں۔ ابن اشعث نے کہا تم اپنے بنی عم کا کہنا کیوں نہیں مان لیتے ان کی رائے تمہارے خلاف نہ ہوگی۔ ان کی طرف سے کوئی ناروا سلوک نہ کیا جائے گا۔ حضرت حسین نے فرمایا: کیوں نہیں آخر تم بھی تو اپنے بھائی کے بھائی ہو، تم کیا چاہتے ہو کہ بنو ہاشم مسلم بن عقیل کے خون کے علاوہ تم سے اور دوسرے خون کے بدلہ کا بھی مطالبہ کریں۔ خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دوں گا اور غلام کی طرح اس کا اقرار نہ کروں گا۔ پھر قرآن حکیم کی یہ آیتیں پڑھیں:

اِنِّی عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝ (دخان: ۲۰)

میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝ (المومن: ۲۷)

میں اپنے اور تمہارے رب سے ہر مغرور و متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اتمام حجت کر چکے اور اشقیاء پر آپ کے فصیح و بلیغ حقائق پر مبنی خطاب کا اثر نہ ہوا اور وہ جنگ کے لئے آگے بڑھنے لگے تو جانثارِ حسین

زہیر بن قیس آگے بڑھے اور ایک موثر تقریر فرمائی:

یا اھل الکوفه نذارلکم من
عذاب الله نذاران حقا علی
المسلم نصیحه اخیه
المسلم ونحن حتی الان اخوه
وعلی دین واحد وملة واحده
مالم یقع بیننا وبینکم
السیف وانتم للنصیحه منا
اھل فاذا وقع السیف
انقطعت العصمه وکنا امه
وانتم امه ان الله قد ابتلانا
وایاکم بذریه نبیه محمد ﷺ
لینظر ما نحن وانتم عاملون
انا ندعوکم الی نصرھم
وخذلان الطاغیه عبید الله ابن
زیاد فانکم لا تدرکون منهما الا
بسوء عمر سلطانهما کله
لیسملان اعینکم ویقطعان
ایدیکم وارجلکم ویمثلان بکم
ویرفعانکم علی جذوع النخل
ویقتلان اماثلکم وقراء کم
امثال حجر بن عدی واصحابه
وھانی ابن عروه واشباھه۔

اے اہلِ کوفہ! خدا کے عذاب سے ڈرو
ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے دوسرے
مسلمان بھائی کو نصیحت کرے ابھی تک ہم
آپس میں بھائی بھائی ہیں ایک مذہب اور
ایک ملت کے ماننے والے ہیں۔ جب تک
ہمارے درمیان تلوار نہ اٹھ جائے اس
وقت تک ہم کو تمہیں نصیحت کرنے کا حق
ہے۔ جب آپس میں تلواریں اٹھ جائیں گی
تو ہمارا تمہارا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور ہماری
تمہاری جماعت جُدا ہو جائے گی۔ خدا نے
ہم کو اور تم کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی ذریت کے بارے میں آزمائش میں مبتلا
کیا ہے کہ ہم ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے
ہیں۔ میں تم کو ان کی نصرت اور عبید اللہ
ابن زیاد کا ساتھ چھوڑ دینے کی دعوت دیتا
ہوں۔ اس لئے کہ تم کو ان سے سوائے
بُرائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ تمہاری
آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گے،
تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمہارا مثلہ
کریں گے، تم کو کھجور کی شاخوں پر لٹکائیں
گے۔ حجر ابن عدی اور ہانی ابن عروہ کی طرح
تمہارے ممتاز لوگوں کو قتل کریں گے۔

زہیر ابن قیس کی تقریر سن کر سنگدل کوفیوں نے گالیاں دیں اور ابن زیاد کی

تعریف کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! ہم حسین اور ان کے ساتھیوں کو قتل یا انہیں گرفتار کر کے امیر ابن زیاد کے پاس پہنچائے بغیر نہیں ٹل سکتے۔ اس سخت جواب کے باوجود زہیر نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

عباد الله! ان ولد فاطمه رضوان الله عليها احق بالود والنصر من ابن سميه فان لم تنصروهم فاعيذكم بالله ان تقتلوهم فخلوا بين هذا الرجل وبين ابن عمه يزيد ابن معاويه فلعمري ان يزيد ليرضى من طاعتكم بدون قتل الحسين۔	خدا کے بندو! فاطمہ کا فرزند ابن سمیہ (ابن زیاد) کے مقابلہ میں امداد و اعانت کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو خدا کے لئے انہیں قتل نہ کرو ان کے معاملہ کو ان کے اور ان کے ابن عم یزید پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم! وہ حسین کو قتل نہ کرنے کی صورت میں تم سے زیادہ رضامند ہو گا۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۴)

شمر ذی الجوشن نے زہیر ابن قیس کو ایک تیر مارا اور کہا: خاموش رہو۔ زہیر نے کہا: ابن بوال! تجھ سے کون خطاب کرتا ہے، تُو تو جانور ہے۔ شمر نے کہا: خدا تجھ کو اور تیرے ساتھی کو ایک ساتھ ہلاک کرے۔ زہیر نے کہا: تُو موت سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم! حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جان دینا مجھے تیرے ساتھ دائمی زندگی سے زیادہ پسند ہے۔ پھر کوفیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: جو لوگ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد اور ان کے اہلِ بیت کا خون بہائیں گے وہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔

حُر بارگاہِ امامت میں

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور زہیر کی تقریروں نے یزیدی لشکر کے بہت

سے سنجیدہ افراد کو کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کے ضمیر پکار پکار کر کہہ رہے تھے حسین اور اہلِ بیت نبوت کو قتل کر کے آخرت کی رسوائی مول لینا اور چند روزہ دنیاوی عیش کی طرف مائل ہونا خدا اور رسول کے حکم کی واضح خلاف ورزی ہے مگر ان کے نفس دنیاوی جاہ و حشم کے حصول کی ترغیب دلا رہے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے جاں نثاروں کے خون سے اپنے دامن آلودہ کر کے ابن زیاد اور قیصر دمشق کی خوشنودی حاصل کرنے کی جانب مائل کر رہے تھے۔

ضمیر و نفس کی کشمکش کا شکار ہونے والوں میں یزیدی لشکر کے مقدمہ الجیش کا امیر حُر بھی تھا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گھیر کر میدانِ کربلا تک لایا تھا۔ خوش بختی آخرت کی کامرانی چونکہ اس کا مقدر بن چکی تھی اس لئے عین اس وقت جبکہ میدانِ کارزار گرم ہونے والا تھا، طبل جنگ پر چوب پڑنے والی تھی، حُر کا بیدار ضمیر سیاہ نفس پر غالب آگیا اور اس نے یزید کی حمایت و نصرت سے علیحدگی اختیار کر کے حسین رضی اللہ عنہ کی امداد و نصرت کا عہد کر لیا۔ حُر بن یزید امیرِ لشکر ابن سعد کے پاس پہنچا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا: خدا تیرا بھلا کرے کیا تو حسین سے لڑنے لگا۔ ابن سعد نے جواب دیا: ہاں! واللہ لڑنا بھی ایسا لڑنا جس میں کم سے کم اتنا ہو گا کہ سر اُڑیں گے اور ہاتھ قلم ہوں گے۔ حُر نے کہا: کیا تم ان کی باتوں میں کوئی بات نہ مانو گے؟ ابن سعد نے کہا: واللہ اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ایسا نہیں کرتا لیکن تیرا امیر اسے نہیں مانتا۔

حُر لرزتے ہوئے دل اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میری جانب سے جو گستاخیاں اور بدعنوانیاں ہو چکیں وہ ہو چکیں، اب اپنی جان غم گساری کے لئے حاضر کرتا ہوں۔ امید کہ ابھی درِ توبہ کھلا ہو گا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: تمہاری توبہ قبول ہو گی، تم کو بشارت ہو کہ تم دنیا و آخرت دونوں میں حُر (آزاد) ہو۔

حضرت حُر شامی فوج کے سامنے آئے اور با آواز بلند ارشاد فرمایا:

ایہا القوم الا تقبلون من لوگو! جو باتیں حسین (رضی اللہ عنہ) نے

حسين خصلة من هذه الخصال اللتى عرض عليكم فيعا فيكم الله من حربه و قتاله۔

پیش کی ہیں ان میں سے کسی بات کو تم کیوں نہیں مانتے کہ خدا تم کو ان کے ساتھ جنگ وجدال میں مبتلا ہونے سے بچالے۔

ابن سعد نے کہا: بخدا میں دل سے یہی چاہتا ہوں مگر اس کی کوئی سبیل نہیں نکلتی۔ حُر نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

يا اهل الكوفه لامكم الهيل والعبر اذ دعوتموه حتى اذا اتاكم اسلمتموه وزعمتم انكم قاتلوا انفسكم دونه ثم عدوتم عليه لتقتلوه امسكتم بنفسه واخذتم بكظمه واحطتم به من كل جانب فمنعتموه اتوجه فى بلاد الله العريضة حتى يامن ويامن اهل بيته واصبح فى ايديكم كالاسير لا يملك لنفسه نفعا ولا يدفع ضرا وخلاتموه ونسائه واصبيته واصحابه عن ماء الفرات الجارى الذى يشربه اليهودى والمجوسى والنصرانى وتمرغ فيه خنازير السواد

اے اہلِ کوفہ! خدا تم کو ہلاک اور تباہ کرے، تم نے انہیں بلایا اور جب وہ چلے آئے تو انہیں چھوڑ دیا۔ تم یہ خیال کرتے رہے کہ ان کی حمایت میں لڑو گے پھر ان کے مخالف ہوگئے اور اب ان کے قتل کے درپے ہو۔ انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور خدا کی وسیع زمین میں کسی طرف ان کو جانے نہیں دیتے کہ وہ اور ان کے اہلِ بیت کسی پُرامن مقام پر چلے جائیں۔ اس وقت ان کی حالتِ قیدی جیسی ہو رہی ہے جو اپنی ذات کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان سے بچا سکتا ہے۔ تم نے ان پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے جس پانی کو یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں اور دیہات کے سُور اور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں، اس کے پانی کے لئے حسین اور ان کے اہل و عیال تشنہ لب تڑپتے ہیں۔ تم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

اا جائے گا، لاشیں گھوڑوں سے روندی جائیں گی، سر تن سے جُدا کیے جائیں گے، مال و متاع غارت کر دیا جائے گا مگر وہ راہِ حق میں دادِ شجاعت دے کر شہادت کا جامِ شیریں نوش کرنا چاہتے تھے۔ اپنے جسم کا آخری قطرہ حمایت و نصرت حسین رضی اللہ عنہ میں بہا کر کربلا کی پیاسی زمین کو سیراب کر کے جان جان آفریں کے سپرد کرنا اپنی سب سے بڑی کامیابی تصور کرتے تھے۔ وہ دنیاوی مال و متاع اور حیاتِ مستعار کے پُر تعیش لمحات کے بجائے حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں پر جان نچھاور کر دینا ہی حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ جان دینے والے ۷۲ نفوس اور جان لینے والے پانچ ہزار مسلح افراد مگر انہیں اپنی زندگی عزیز تھی۔ وہ معرکہ کربلا میں کامیابی کا انعام اپنے جابر حکمرانوں سے حاصل کر کے باغِ حیات کو نزہت بہار اور رنگ بوئے گل سے مالا مال کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہر یزیدی اپنی جانِ عزیز کی محافظت اپنا فرض سمجھتا تھا۔ مردانِ دلاور کے سامنے آنے سے کتراتا تھا۔

جماعت حسین رضی اللہ عنہ کے سواروں نے یزیدیوں کے چھکے چھڑا دیئے وہ جدھر جاتے یزیدی لشکر کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ غزرہ بن قیس نے جنگ کا نقشہ دیکھا تو عمرو بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ معدودے چند سواروں نے کوفیوں کو پراگندہ اور کم حوصلہ کر دیا ہے۔ اگر یہی نقشہ جنگ رہا تو ان کے پاؤں میدانِ جنگ سے اُکھڑ جائیں گے۔ مناسب ہے کہ تیر اندازوں اور پیادوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جائے۔ حصین بن نمیر نے ابن سعد کے حکم سے پانچ سو تیر اندازوں کو آگے بڑھایا اور حسینی لشکر پر بے تحاشہ تیروں کی بارش کر دی۔ تھوڑی دیر میں حسینی لشکر کے اکثر گھوڑے زخمی ہو گئے، اور ان میں سواروں کو سنبھالنے کی صلاحیت باقی نہ رہی تو سواروں نے گھوڑوں سے اتر کر پیادہ پا جنگ شروع کر دی۔ قوت و کثرت کے باوجود حوصلہ مند جاں فروشوں نے یزیدی فوج کے سارے حملے ناکام بنا دیئے اور وہ حملہ کرنے سے جی چرانے لگے۔ دوپہر تک بڑی سخت معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ عمرو بن سعد نے خیموں کی طنابیں کاٹنے کا حکم دیا مگر جتنے یزیدی اس حرکت شنیع کے لئے آگے بڑھتے واپس نہ جاتے۔ یہ حال دیکھ کر ابن سعد نے خیموں میں آگ برسانی شروع کی تاکہ خیمے جل اٹھیں اور حسینی لشکر دوسری

جانب متوجہ ہو جائے اور جنگ جلد تر تمام ہو جائے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا:

"تم لوگ مجھ سے لڑتے ہو تو مجھ سے لڑو، خیموں میں عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی مرد نہیں ہے۔ وہ غریب نکل کر نہ بھاگ سکیں گے اور نہ ہم خیموں میں آتشزدگی کے باعث تم سے لڑ سکیں گے۔"

(ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۱)

جنگ شباب پر تھی مگر قلیل جماعت سے ایک دو کا شہید ہونا بھی کمی نمایاں کر دیتا تھا۔ یزیدی لشکر میں کثرت کے باعث پانچ دس کی ہلاکت محسوس نہ ہوتی تھی۔ شامیوں نے پُر آشوب حملوں، تیر باریوں سے حسینی جاں نثاروں کو ایک ایک کر کے جام شہادت پلانا شروع کر دیا۔ عشق و اخلاص ایثار و قربانی، فدا کاری و جاں نثاری کی عیار آزمائش پر وہ کھرے ثابت ہوتے رہے۔ اب حسینی جانبازوں کی تعداد کافی گھٹ چکی تھی وہ یقین کر چکے تھے کہ اس سیلاب کے سامنے ہم بند باندھ کر حسین رضی اللہ عنہ کو بچا نہیں سکتے۔ چنانچہ انہوں نے طے کر لیا کہ ذات امام پر آنچ آنے سے پہلے وہ اپنی قربانیاں پیش کر دیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں پر جانیں نثار کر دیں۔

تمام فدایانِ اہلِ بیت ایک ایک کر کے پروانہ وار لشکر شام کی طرف بڑھنے لگے۔ بے جگری کے ساتھ داد شجاعت دی۔ لڑتے لڑتے اپنے آقا پر جانیں قربان کر دیں۔ سُوید ابن ابی المطعا کے علاوہ سارے اعوان و انصار حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ ان کی شہادت کے صدمات نے قلب حسین رضی اللہ عنہ کو چھلنی کر دیا، غم و اندوہ کے سبب چشمِ امامت نمناک ہو رہی تھی۔

علی اکبر

اعوان و انصار اپنی جانیں نثار کر چکے اب اولاد علی رضی اللہ عنہ کی باری آئی۔ سب سے پہلے چمنستانِ حسین رضی اللہ عنہ کے گل شاداب نوجوان علی اکبر نے حضرت

حسین رضی اللہ عنہ سے میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دے کر اپنی جان کی قربانی پیش کرنے کا اذن طلب کیا۔ حسین رضی اللہ عنہ صبح سے اپنے فداکاروں کے لاشے اٹھا رہے تھے۔ شدتِ غم سے دل پاش پاش ہو رہا تھا' ایسے عالم میں لختِ جگر، شبیہ پیغمبر، جانِ عزیز پائے امامت پر نثار کرنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ بڑا ہی صبر آزما وقت ہے۔ اس سخت آزمائش میں بھی حسین رضی اللہ عنہ نے سُنّت ابراہیمی کی یاد تازہ کی۔ ریاض علی رضی اللہ عنہ کے گل تر تسکین قلب و نظر حضرت علی اکبر کو صف اعداء کے سامنے جانے کی اجازت دے دی۔

ہاشمی نوجوان تنہا صفوف اشقیاء کے سامنے یہ رجز پڑھتا ہوا جا رہا ہے:

انا علی ابن حسین بن علی　　و رب البیت اولی بالنبی

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

(ترجمہ) "میں حسین ابن علی کا بیٹا علی ہوں' خانہ کعبہ کے رب کی قسم کہ ہم نبی کے قرب کے زیادہ مستحق ہیں، خدا کی قسم نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہ کر سکے گا۔"

علی اکبر دشمنوں پر بجلی کی طرح حملہ آور ہوتے آپ کی برق رفتاری اور جوشِ شجاعت نے شامیوں کو دم بخود کر دیا۔ انہیں آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی اثنا میں آپ مرہ بن منقذ تمیمی کے سامنے سے گزرے۔ مرہ آزمودہ کار سپاہی تھا' اس نے تاک کر نیزے سے حملہ کیا۔ نیزہ جسم میں پیوست ہو گیا' ہر طرف سے شامیوں نے نیزوں اور تلواروں کی بارش کر دی۔ نازک جسم زخموں سے چُور چُور ہو گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بادیدۂ نم لخت جگر کی لاش اٹھانے گئے۔ حضرت زینب نے عزیز بھتیجے کی لاش دیکھی، فرطِ غم سے باہر آئیں اور غش کھا کر علی اکبر کی لاش پر گر پڑیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بہن کا ہاتھ پکڑ کر خیمہ میں لے گئے۔

یہ عجیب بے کسی اور کسمپرسی کا عالم تھا' سارے اعزا و اقرباء نے جانیں قربان کر دی ہیں۔ جاں نثاروں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کا منظر، لخت جگر علی اکبر کا زخموں سے پاش پاش جسم، بہن کی حالتِ زار، رنج و محن اور درد و کرب کی کیفیت میں حضرت حسین

رضی اللہ عنہ کبھی فرزند کی لاش پر نگاہ ڈالتے ہیں اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں: الٰہی میں نے تیری راہ میں اپنی سب سے بڑی متاعِ حیات قربان کرکے تیرے خلیل کی سُنّت پوری کردی ہے، تُو اسے قبول فرما! زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا:

"اے فرزند! جن لوگوں نے تجھے قتل کیا خدا اور رسول پر ان کی جرأت کس قدر بڑھی ہوئی ہے، تیرے بعد دنیا پر خاک ہے۔"

(طبری ج ۶ ص ۳۴۰)

بوڑھے حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد فرزندانِ زینب، عون و محمد کی خون میں نہائی ہوئی لاشیں دیکھیں۔ مسلم بن عقیل کے فرزند عبدالرحمٰن اور جعفر کی خون میں تڑپتی ہوئی لاشوں کا کرب انگیز منظر دیکھا۔

قاسم بن حسن کی شہادت

حضرت حسن کی نشانی جناب قاسم چچا پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے میدان کی طرف بڑھے۔ عمرو بن سعد بن نفیل نے نازک جسم پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ قاسم بن حسن یا عماہ کہہ کر زمین پر گر پڑے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ عمرو پر وار کیا، اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ یزیدیوں نے اسے بچانا چاہا مگر انہیں کے گھوڑوں نے روند کر اسے ہلاک کردیا۔ فرطِ رنج و الم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ قاسم کے سرہانے کھڑے ہو کر فرما رہے تھے:

"کتنی بُری وہ قوم ہے جس نے تجھے قتل کیا ہے۔ کل روزِ قیامت تمہارا معاملہ احکم الحاکمین کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ تمہارے چچا پر کیسا وقت آگیا ہے کہ تم مدد کو پکارتے ہو اور وہ تمہاری مدد کرنے کے لائق نہیں۔ خدا کی قسم! آج کے دن تمہارے چچا کے دشمن زیادہ ہیں اور معین و مددگار کم ہیں۔" (طبری ج ۶ ص ۳۴۱، ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۷)

قاسم نے چچا کے قدموں پر جان قربان کر دی۔ پیکر رنج و غم حسین رضی اللہ عنہ عزیز بھتیجے کی لاش اٹھا کر خیمہ امامت کے سامنے لائے اور شہدائے خانوادۂ ابی طالب کی لاشوں کے پاس لٹا دیا۔

علی اصغر کی شہادت

کربلا کی زمین پر خانوادۂ رسالت پر ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے جو پہاڑ توڑے گئے اس کی مثال تاریخ ظلم و ستم میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔ بوڑھے حسین رضی اللہ عنہ پر ابتلاء و آزمائش کی سختیاں، اُف چشمِ فلک نے ایسے دلدوز مناظر شاید کبھی نہ دیکھے ہوں۔ شش ماہہ علی اصغر بوڑھے باپ کی آغوش میں ہے، سکون قلب و جگر کو حسین رضی اللہ عنہ مصحف کی طرح ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اتنے میں حُرملہ کا سنسناتا ہوا زہر آلود تیر حلقومِ علی اصغر میں پیوست ہو گیا۔ خون کا فوارہ چھوٹنے لگا۔ خونِ علی اصغر سے کربلا کی پیاسی زمین آسودہ ہو گئی اور تشنہ لب علی اصغر نے تڑپ کر باپ کی آغوشِ شفقت میں جان دے دی۔ شدتِ کرب میں سر آسمان کی طرف اٹھا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے رب! اگر تُو نے ہم سے مدد روک لی تو جو مناسب ہو وہ کر اور ان ظالموں سے انتقام لے۔" (ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۷)

یہ انوکھا اور نرالا امتحان، یہ کرب ناک آزمائش، جس کا ذکر سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس امتحان میں ثبات قدمی اور استقلال کا جو ثبوت پیش کیا وہ انہیں کا حصہ تھا۔

آخری امتحان

ابتلاء و آزمائش کی سخت منزلیں طے کر چکنے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے خون سے چمنستانِ اسلام کی آبیاری اور ایوانِ شریعت کے استحکام و بقاء کے

لئے آمادہ ہوئے۔ آہ! دنیا کی نیرنگی وہ حسین رضی اللہ عنہ جس کے نانا کے آستانہ کرم کی نگہبانی ملائکہ کیا کرتے تھے آج وہ کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں نرغہ اعداء میں بے یار و مددگار کھڑا ہے۔ اعوان و انصار، احباب و اقارب قتل کئے جا چکے ہیں، ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں کا جاں گداز منظر نگاہوں کے سامنے ہے۔ حسین مظلوم صفوفِ اعداء میں تنہا ہیں ان کا کوئی محافظ نہیں۔ یزیدی لشکر میں رحم و مروت کا نام و نشان نہیں کہ وہ نواسہ رسول کے قتل سے درگزر کریں جس کے نانا نے فتح مکّہ کے دن اپنے اور اسلام کے بدترین دشمنوں کو، جو جان کے خوف سے لرزہ براندام تھے، مکّہ کی سرزمین ان کے لئے تنگ ہو رہی تھی، نویدِ امن دیتے ہوئے فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم۔ امن و آشتی کے منادی نے جانی دشمنوں کو عفو و درگزر کا سرمدی پیغام سنایا تھا مگر آج وہی امت محمدؐ، نواسہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنا چاہتی ہے۔ کوئی حسین رضی اللہ عنہ کا یار و مددگار نہیں، کربلا کا ذرہ ذرہ خُونِ حسین رضی اللہ عنہ کا پیاسا ہو رہا تھا۔ وحوش و طیور کے لئے تو امان تھی مگر جگر گوشہ رسول کے لئے امان نہ تھی۔ کتنا عبرت ناک اور دلدوز تھا یہ منظر۔ دوپہر کا وقت ہے، زمینِ کربلا انگاروں کی طرح تپ رہی ہے، سورج آگ کے شعلے برسا رہا ہے، بادِ سموم کے تیز و تُند جھونکے چل کر جسموں کو جھلسا رہے ہیں، ساقی کوثر کا نواسہ تشنہ لب ہے، کام و دہن سُوکھ کر کانٹا ہو چکے ہیں۔

۷ تاریخ ہی سے نہر علقمہ پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا تھا تاکہ حسینی خیموں میں پانی کی ایک بوند نہ جانے پائے۔ چرند و پرند، انسان و حیوان سب تو اس نہر کے شفاف پانی سے سیراب ہو سکتے ہیں مگر وہ حسین رضی اللہ عنہ اس سے محروم ہے جس کے نانا کے ہاتھوں میں کوثر و تسنیم کا چھلکتا ہوا جام ہے۔ شرط یہ ہے کہ ملوکیت و قیصریت کے موسس و بانی کے ہاتھوں پر بیعت کرو پھر نہر علقمہ سے سیراب ہونے کی اجازت دی جائے گی۔

وہ حسین رضی اللہ عنہ جس پر غم و اندوہ، ظلم و ستم کے عظیم پہاڑ توڑے جا چکے ہیں، تنہائی و درماندگی کے عالم میں دشمنوں کی صفوں پر بجلی کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں اور امتحان و آزمائش کے آخری مرحلہ میں پوری جانبازی و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جدھر سے گزرتے ہیں، صفِ اعداء چھٹنے لگتی ہے۔ شیرِ خُدا کا فرزند جدھر شمشیر بکف جاتا

ہے، لوگ کتراجاتے ہیں۔

حسین رضی اللہ عنہ شیروں کی طرح شامیوں پر حملہ آور ہوتے اور پیادوں کی صفوں کو اپنے حملوں سے درہم برہم کردیتے تھے اور بار بار یہ فرماتے جاتے تھے:

"کیا تم لوگ میرے ہی قتل کے لئے مجتمع ہوئے ہو، اللہ کی قسم میرے قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوگا۔ مجھے پوری امید ہے کہ میرے قتل سے تم کو سرخروئی نہ حاصل ہوگی۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم سے میرے خون کا ایسا بدلہ لے گا کہ تم کو اس کی خبر تک نہ ہوگی۔ واللہ اگر تم لوگ مجھے قتل کرڈالو گے تو تم میں خونریزی کا دروازہ کھل جائے گا اور تم پر اللہ تعالیٰ اپنا عذاب نازل کرے گا۔ تم لوگ ناحق اپنے ہاتھوں کو میرے خون سے نہ رنگو۔ دیکھو میں بے گناہ ہوں، میرا قتل کرنا تم کو روا نہیں ہے۔"

(ابن خلدون ج ۵ ص۱۱۹)

کسی میں جرأت نہ ہوئی کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے اور ان پر تلوار سے حملہ کرے۔ سردارانِ لشکر کے ابھارنے اور للکارنے پر تیروں سے جسم حسین رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا جانے لگا مگر حسین رضی اللہ عنہ جدھر جھپٹتے شامی کائی کی طرح پھٹ جاتے۔

شمر ذی الجوشن نے یزیدی فوج کا یہ رنگ دیکھا تو چلا کر کہا تمہاری مائیں مرجائیں، تم لوگ ایک پیادہ کو نہیں مار سکتے۔ تمہاری مردانگی پر تف ہے۔ تم اگر ایک ایک کنکری پھینکو تو حسین دب کر مرجائیں۔ بڑھو! اپنے نام اور خاندان کو رُسوا نہ کرو۔ شمر کے پُرجوش فقروں سے یزیدیوں میں جوش پیدا ہوا۔ پیادوں نے ہر طرف سے حسین رضی اللہ عنہ پر تیروں، تلواروں اور نیزوں سے شدید حملہ کیا۔ زخموں سے پیکرِ امامت چھلنی ہوچکا ہے۔ ضعف و ناتوانی نے حملہ کی سکت باقی نہ رکھی۔ ایک مقام پر عشق و اخلاص اور ایثار و قربانی کے امتحانِ آخریں کے لئے ٹھہر جاتے ہیں۔ شامیوں کے پُرآشوب حملوں کا شور سن کر حضرت زینب شدت کرب میں خیمہ سے باہر آئیں۔ بھائی کی بے سروسامانی کا حالِ زار دیکھا نہ گیا۔ کہا کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا۔ اتفاقاً عمرو بن سعد آ

پہنچا۔ فرمایا:

یا عمرو سعد ایقتل ابو عبداللہ وانت تنظر۔ کیوں ابن سعد! ابو عبداللہ حسین اس بے کسی سے مارے جائیں اور تم دیکھتے رہو؟

اگرچہ عمرو بن سعد کی آنکھوں پر حرص و طمع اور دنیاوی جاہ و عظمت کا دبیز پردہ پڑ چکا تھا مگر خونِ قرابت نے جوش مارا۔ زینب کے اس فقرہ سے اس کی آنکھوں کا پیمانہ چھلک اٹھا، رُخسار اور ڈاڑھی آنسوؤں سے نم ہو گئے۔ کچھ جواب نہ دے سکا، حضرت زینب کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۸)

تلواروں اور نیزوں کے شدید حملوں سے جسم حسین رضی اللہ عنہ بالکل خستہ و ناتواں ہو گیا۔ قدم لڑکھڑانے لگے، اعضاء جواب دے گئے، اب کھڑا رہنا بھی دشوار تھا، کھڑے ہوتے پھر گر جاتے۔ اسی حالت میں سنان بن انس نے ایسا نیزہ مارا کہ عمادِ امامت، مینارۂ صبر و استقامت زمیں بوس ہو گیا۔ خولی بن یزید سر تن سے جُدا کرنے کے لئے آگے بڑھا لیکن ہاتھ کانپ گئے، پیچھے ہٹ گیا۔ پھر سنان بن انس نے سرِ امام کو جسمِ پاک سے جُدا کر دیا۔ عشق و اخلاص کا آخری امتحان پورا ہوا۔ آج گلشنِ رسالت کا گُل شاداب مُرجھا گیا، ریاضِ علی اُجڑ گیا، خانہ فاطمہ بے چراغ ہو گیا۔

حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے صحرا میں عزم و استقلال، صبر و استقامت، ایثار و قربانی کی جو زریں اور درخشندہ یادگار قائم کر دی اس پر قیامت تک اہلِ حق دھڑکتے ہوئے دل اور چھلکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بارگاہِ حسینی میں اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہیں گے:

دین کا پاسباں کوثر کا دھنی زندہ باد
عظمتِ وارثِ میراثِ نبی زندہ باد
کفر غارت ہوا باطل کا جنازہ نکلا
ضبط و اقدامِ حسین ابن علی زندہ باد

—— ○ ——

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین
دین ہست و دیں پناہ ہست حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

— ○ —

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
دشتِ ثبات و عزم ہے دشتِ بلا و غم
صبرِ مسیح و جرأت سقراط کی قسم!
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسین ہے

— ○ —

سر خرد عشق غیور از خون او
شوخی ایں مصرعہ از مضمون او
چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
مہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
ستر ابراہیم و اسمٰعیل بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزم او چوں کوہساراں استوار
پائیدار و تند سیر و کامگار!
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوانِ نجات ما نوشت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او فشاں
(اقبال)

میری اُمت کے بعض لوگ شراب کا نام بدل کر اس کو پئیں گے انکے پاس آلاتِ موسیقی بجائے جائینگے اور عورتیں گانا گائیں گی اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیگا اور انکو بندر و خنزیر بنا دے گا (فرمانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم)

موسیقی و تصویر کا شرعی حکم

— از قلم —

قاری فدا حسین

جامع مسجد بابا یتیم شاہ فتح گڑھ لاہور

— ناشر —

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی

(آل عمران ۳/۱۰۳)

تاریخِ تمدنِ عرب

نعبدہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اور
اس کے بعد عربوں کی حالت

مؤلفہ

پروفیسر سید ظہیر احمد زیدی مدظلہ العالی

(تلمیذ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی)

سابق استاذ سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
Email: info@faridbookstall.com
Web Site: www.faridbookstall.com